ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

# تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

پاکستان کا سفر
سید جلال الدین عمری (دہلی)

تفسیر شاہی
پروفیسر کبیر احمد جائسی (علی گڑھ)

شاہ ولی اللہ کا رسالہ غایۃ الانصاف
پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی (علی گڑھ)

مالابار میں اسلام
پروفیسر احتشام احمد ندوی (علی گڑھ)

سیاست عادلہ
مولانا سلطان احمد اصلاحی (علی گڑھ)

شیخ احمد سرہندی
مولانا شاہد رفیق ندوی (علی گڑھ)

تبصرے

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی

پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

# تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اپریل ــــــــــ جون ۲۰۰۵ء


مدیر

سید جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی



پان والی کوٹھی دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

پوسٹ بکس ۹۳

# سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد ۲۴ شمارہ: ۲

ربیع الاول ——— جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

اپریل ——— جون ۲۰۰۵ء


## زرِ تعاون

### اندرونِ ملک

| | |
|---|---|
| فی شمارہ | ۲۵روپے |
| سالانہ | ۱۰۰روپے |
| سالانہ (لائبریریاں و ادارے) | ۱۲۵روپے |

### بیرونِ ملک

| | |
|---|---|
| سالانہ انفرادی | ۴۰۰روپے |
| سالانہ ادارے | ۶۰۰روپے |

### پاکستان

| | |
|---|---|
| سالانہ انفرادی | ۲۰۰روپے |
| سالانہ ادارے | ۳۰۰روپے |


طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے دعوت آفسٹ پرنٹرس دہلی۔۶ سے چھپوا کر

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ سے شائع کیا

# فہرست مضامین


**حرف آغاز**

| | | |
|---|---|---|
| پاکستان کا سفر (دو ہفتوں کی خوش گوار یادیں) | سید جلال الدین عمری | ۵ |

**تحقیق وتنقید**

| | | |
|---|---|---|
| تفسیرِ شاہی | پروفیسر کبیر احمد جائسی | ۳۱ |
| شاہ ولی اللہؒ کا رسالہ "غایۃ الانصاف" | پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی | ۵۶ |
| مالا بار میں اسلام (ایک تاریخی جائزہ) | پروفیسر احتشام احمد ندوی | ٦٦ |

**بحث ونظر**

| | | |
|---|---|---|
| سیاستِ عادلہ (۲) | مولانا سلطان احمد اصلاحی | ۸۵ |

**سیر وسوانح**

| | | |
|---|---|---|
| شیخ احمد سرہندیؒ کے تجدیدی کارنامے | مولانا اشہد رفیق ندوی | ۱۰٦ |

**تعارف وتبصرہ**

| | | |
|---|---|---|
| علامہ شبلی نعمانیؒ کی قرآن فہمی | محمد رضی الاسلام ندوی | ۱۱۸ |
| ہندو علماء ومفکرین کی قرآنی خدمات | " " " | ۱۱۸ |
| وحیِ حدیث | " " " | ۱۱۹ |

# اس شمارے کے لکھنے والے


۱۔ پروفیسر کبیر احمد جائسی

ساجدہ منزل، اقرا کالونی، علی گڑھ

سابق ڈائرکٹر ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

ڈائرکٹر شاہ ولی اللہ ریسرچ سیل، ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۳۔ پروفیسر احتشام احمد ندوی

مدینہ منزل، نیو سرسید نگر، علی گڑھ (سابق صدر شعبۂ عربی، کالی کٹ یونیورسٹی، کیرالا)

۴۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی

رکن ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

۵۔ مولانا اشہد رفیق ندوی

استاد سینیر سیکنڈری اسکول، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۶۔ محمد رضی الاسلام ندوی

رکن ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

۷۔ سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

# پاکستان کا سفر

(دو ہفتوں کی خوش گوار یادیں)

——— سید جلال الدین عمری

ایک طویل عرصے سے پاکستان جانے، وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرنے اور دوستوں اور رفیقوں سے ملاقات کی خواہش دل میں موج زن تھی، لیکن ہر خواہش کا پورا ہونا اور جس وقت ہم چاہتے ہیں اس وقت پورا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہندوستان اور پاکستان دو پڑوسی ملک ہیں، لیکن ان کے درمیان سفر آسان نہیں رہا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ ان کے سرد وگرم تعلقات بھی ہیں۔ ان تعلقات میں اس قدر نشیب وفراز رہا کہ کبھی سفر کا ارادہ ہوتا اور کبھی ٹوٹ جاتا۔ ایک مرتبہ ویزا بھی مل گیا اور میں نے سفر کی تیاری شروع کردی، لیکن اسی اثنا میں کارگل کا محاذ کھل گیا اور دونوں ملکوں کے حالات اس قدر کشیدہ ہوگئے کہ سفر ملتوی کرنا پڑا۔ اب بظاہر حالات میں تبدیلی آئی ہے اور بہ آسانی آمد ورفت شروع ہوگئی ہے۔ بہر حال بہت تاخیر سے سہی اس عاجز کے پاکستان جانے کی صورت نکل آئی۔ ۱۹/۲۰/۲۱/ مارچ ۲۰۰۵ء کو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں اجتماعی اجتہاد کے موضوع پر سیمینار تھا۔ اس میں شرکت کا دعوت نامہ محترم ڈاکٹر طاہر منصوری، صدر شعبۂ قانون کی جانب سے موصول ہوا اور میں نے دعوت قبول کرلی۔ سفارت خانہ پاکستان کو ایک دوست نے میرے ارادے کی اطلاع اور ویزا کی درخواست دی۔ سفارت خانہ نے بخوشی اسے منظور کرلیا۔ میں نے پاسپورٹ بھیج دیا اور ویزا مل گیا۔ پولیس رپورٹنگ سے بھی مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ اس کے لیے میں سفارت خانہ پاکستان کا مشکور ہوں۔ سیمینار میں شرکت کے لیے اسلام آباد جانا ہی تھا۔ اس کے ساتھ پاکستان کے دو بڑے علمی، تہذیبی اور سیاسی مراکز لاہور اور کراچی کو بھی میں نے اپنے پروگرام میں شامل کرلیا۔ سفر کی پہلی منزل لاہور تھی۔

میرا ٹکٹ پی آئی اے (PIA) سے تھا۔ ۱۲؍ مارچ ۲۰۰۵ء کی شام کو 5:30 بجے روانگی تھی۔ لیکن کسی قدر تاخیر سے جہاز روانہ ہوا۔ پچاس منٹ کی پرواز کے بعد پاکستانی وقت کے لحاظ سے 7:30 بجے جہاز لاہور پہنچا۔ لاہور کا نیا ہوائی اڈہ بہت وسیع، خوب صورت اور صاف ستھرا ہے۔ میرے ساتھ سامان بہت کم تھا۔ کسٹم والوں نے بھی تفتیش نہیں کی۔ ؎

خوشا راہی کہ سامانے نہ دارد۔

ایر پورٹ سے باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران تھا کہ ایک بندۂ عاجز و ناتواں کے استقبال کے لیے حافظ محمد ادریس صاحب ناظم اعلیٰ ادارۂ معارف اسلامی، جناب اشرف ملک اعوان صاحب نائب قیم جماعت اسلامی پاکستان، جناب عبدالغفار عزیز صاحب ناظم امورِ خارجہ جماعت اسلامی پاکستان طلبہ کے ساتھ موجود ہیں۔ ان سب حضرات سے پہلی ملاقات تھی۔ یوں محسوس ہوا جیسے ہر طرف سے محبت اور اخلاص کے پھول برس رہے ہوں۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی دوستوں سے تفصیلی تعارف شروع ہوگیا۔ ایئر پورٹ سے قیام گاہ کا فاصلہ ایک گھنٹہ میں طے ہوا۔ قیام گاہ پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اطلاع ملی کہ ایک اسلام پسند نوجوان کا ولیمہ ہے۔ اس میں شرکت اس کے لیے بھی اور اس کے عزیزوں کے لیے بھی خوشی کا باعث ہوگی۔ اس نوجوان کی شادی ایک ترک لڑکی سے ہوئی ہے۔ ولیمہ کی اس تقریب میں محترم قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان، نائب امراء چودھری رحمت الٰہی صاحب اور چودھری محمد اسلم صدیقی صاحب اور بعض دیگر ذمہ دار حضرات بھی شریک تھے ان سب سے غائبانہ واقفیت تو تھی ہی اب براہ راست تعارف کا موقع ملا۔ گو یہ ملاقات تھوڑی دیر کے لیے تھی لیکن فطری طور پر اس سے خوشی محسوس ہوئی۔

۱۳؍ کی صبح ادارۂ معارف اسلامی لاہور میں حاضری دی، حافظ محمد ادریس صاحب نے تفصیل سے ادارہ کا تعارف کرایا۔ یہ ایک علمی ادارہ ہے۔ جہاں ریسرچ اور تحقیق کی ضروری سہولتیں موجود ہیں۔ اس کی اپنی لائبریری ہے۔ ریسرچ اسکالرز اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ تحقیقی کاموں میں ان کی مدد بھی کی جاتی ہے۔ ان کے تحقیقی مقالے یہاں جمع ہوتے ہیں۔

اسی سے متصل 'ترجمان القرآن' کا دفتر ہے۔ ترجمان القرآن پاکستان کا ایک معتبر

دینی وعلمی رسالہ ہے۔اس رسالے کے ساتھ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی یادوابستہ ہے۔ اس نے امت کے ذہن وفکر کی تعمیر میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔اس کی ادارت کے فرائض کئی سال سے عالم اسلام کی معروف شخصیت پروفیسر خورشید احمد صاحب انجام دے رہے ہیں۔ معروف اسلامی مفکر اور مصنف،محترم جناب خرم مراد مرحوم کے برادر خورد جناب مسلم سجاد صاحب اس کے نائب مدیر ہیں۔ان سے بار بار ملاقات رہی اور ان کی نیک نفسی اور خلوص کے نقوش دل پر ثبت ہوتے رہے۔یہیں قریب ہی پروفیسر نصیر الدین ہمایوں نائب صدر تنظیم اساتذہ پاکستان کی قیام گاہ ہے۔ان کا شمار تعلیمات کے ماہر اساتذہ میں ہوتا ہے۔ان سے کئی بار ملاقات ہوئی۔اسلام آباد میں بھی ان کی رفاقت حاصل رہی۔

قریب ہی مکتبہ معارف اسلامی لاہور ہے۔اسے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میری کتاب 'عورت اسلامی معاشرے میں' کا پندرھواں ایڈیشن مکتبہ اسلامی پبلیشرز نے دوسال قبل شائع کیا ہے۔ہندوستان سے اس کے گیارہ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ میری بعض اور کتابوں کے بھی چار پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔زیادہ تر کتابیں مکتبہ اسلامی پبلیشرز سے شائع ہوئی ہیں۔اس کے علاوہ جس مکتبہ نے جو کتاب شائع کرنی چاہی،شائع کردی۔ مجھے اس کی اطلاع تک نہیں دی۔اب بعض مکتبے ان کتابوں کو زیادہ اہتمام سے شائع کرنا چاہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔

بعد نماز عصر پانچ بجے جماعت اسلامی لاہور نے اپنے دفتر میں استقبالیہ کا نظم کیا تھا۔تین چار سو افراد جمع تھے۔اسٹیج پر ملک محمد اشرف اعوان،حافظ سلیمان بٹ وغیرہ ذمہ دار افراد موجود تھے۔ ملک محمد اشرف اعوان صاحب نے عاجز کا تعارف کرایا اور خطاب کی دعوت دی۔ میں نے ہندوستان میں مسلمانوں کے حالات اور جماعت کی خدمات کا تعارف کرایا۔میں نے بتایا کہ اس وقت برصغیر میں جماعت اسلامی کے نام سے پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور کشمیر میں جماعتیں کام کررہی ہیں۔ان سب کا نصب العین گو اقامت دین ہے لیکن ان کے درمیان کسی قسم کا تنظیمی ربط نہیں ہے۔ ہر جماعت کا اپنے حالات کے لحاظ سے نقشۂ کار ہے اور وہ اس پر عمل کرتی ہے۔جماعت اسلامی ہند نے

اپنے لیے جو طریقۂ کار تجویز کیا ہے اس میں اسلام کا تعارف اور اس کی دعوت، مسلم معاشرے کی اصلاح، تعلیم کی توسیع اور خدمت خلق کے کاموں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ وہ اپنے کارکنوں کی تربیت واصلاح پر بھی خاص توجہ دیتی ہے۔

تقریر کے بعد پریس والوں نے سوال و جواب شروع کر دیے۔ اہل پاکستان کو ہندوستان کے مسلمانوں کے سیاسی، معاشی، تہذیبی حالات سے خاص دلچسپی ہے۔ وہ مسلمانوں کی جان، مال اور عزت وآبرو کے تحفظ کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ غیر مسلم سیاسی جماعتوں اور مسلمانوں کے سلسلے میں ان کا رویہ ان کے سوالات میں شامل ہوتا ہے۔ جماعت اسلامی کے متعلق بھی وہ سوالات کرتے ہیں۔ ان کا خاص موضوع مسئلہ کشمیر ہے جس کے بارے میں ہر موقع پر سوال کیا جاتا ہے۔ میں نے ہندوستانی نظام، اس کے دستور، اس میں اقلیتوں کے حقوق، موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل اور ان کے حل کی کوششوں کا مختصر ساذکر کیا۔ مسئلہ کشمیر کے بارے میں بتایا کہ یہ برصغیر کا پچاس سال سے زیادہ قدیم اور پے چیدہ مسئلہ ہے۔ اس کا حل ہم سب چاہتے ہیں، لیکن یہ حل بات چیت اور گفتگو ہی کے ذریعہ نکلنا چاہیے، جنگ اس کا حل نہیں ہے۔ اس مسئلے پر تین جنگیں ہو چکی ہیں۔ اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اب جنگ ہوگی تو بڑی تباہ کن ہوگی، اس لیے کہ اب یہ دونوں ایٹمی ملکوں کے درمیان جنگ ہوگی۔ اس سے دونوں تباہ ہو جائیں گے۔ ان دونوں ممالک کو ایسا پرامن حل تلاش کرنا چاہیے جو کشمیریوں کے لیے بھی قابل قبول ہو۔

لاہور کے بیشتر اخبارات نے جن میں اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے اخبارات شامل ہیں، اس عاجز کی لاہور آمد اور سوال و جواب کو نمایاں طریقہ سے شائع کیا۔ لیکن افسوس کہ بعض باتوں کی صحیح رپورٹنگ نہیں ہو سکی۔ پاکستان کی اردو صحافت کا معیار ہندوستان کی اردو صحافت سے بلند ہے۔ دہلی، اتر پردیش اور بہار جو اردو کے مراکز ہیں یہاں کی اردو صحافت نیم جان بلکہ بے جان ہو کر رہ گئی ہے۔ بمبئی اور حیدرآباد کے اخبارات اپنا ایک معیار رکھتے ہیں۔ پاکستان کے اردو اخبارات کا معیار وہاں کے انگریزی اخبارات سے کم نہیں ہے۔ ان کی اشاعت انگریزی اخبارات سے زیادہ ہے۔ البتہ گندگی اور بے حیائی کی اشاعت

ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ مشترک ہے۔ بہت کم اخبارات اس سے محفوظ ہیں۔

استقبالیہ سے فارغ ہوکر ملک محمد اشرف اعوان صاحب کے ساتھ اچھرہ پہنچا اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی قبر پر حاضری دی۔ مولانا کو میں نے نہیں دیکھا لیکن ان سے فکری رہنمائی حاصل کی ہے اور ان کے علم وفہم اور بصیرت سے فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ اس دور میں اسلام کے بے باک ترجمان اور بہترین شارح تھے۔ انہوں نے احیاء اسلام کا جذبہ بیدار کیا۔ یہ جذبہ آج بھی زندہ وتابندہ ہے۔ وہ جب تک زندہ رہے بہت سے دلوں کی دھڑکن بن کر رہے اور جب دنیا سے گئے تو اپنا ذکرِ خیر چھوڑ گئے۔ میں نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس خادمِ دین کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے درجات کو بلند کرے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گل کی نگہبانی کرے

مولانا مرحوم کی قبر ہی کے قریب بیگم مودودیؒ کی بھی قبر ہے۔ اس اللہ کی بندی نے جس طرح ہر نشیب وفراز میں مولانا کا ساتھ دیا اور حقِ رفاقت ادا کیا وہ خود ایک مثال ہے۔

مولاناؒ جس آفس میں بیٹھتے تھے، رات ہونے کی وجہ سے وہ بند تھا، مولاناؒ کے صاحب زادوں سید حیدر فاروق مودودی اور سید حسین مودودی سے تھوڑی دیر ملاقات رہی۔ اس کے بعد قیام گاہ واپسی ہوئی۔

۱۵ر مارچ کا دن بھی بڑی مصروفیت کا رہا۔ صبح مولانا مودودیؒ انسٹی ٹیوٹ دیکھا اور وہاں کے طلبہ سے خطاب کیا۔ یہاں ہائی اسکول پاس طلبہ کے لیے دینی تعلیم کا دو سالہ کورس ہے۔ ذریعۂ تعلیم انگریزی اور عربی ہے۔ طلبہ نے مختصر سا پروگرام پیش کیا۔ اندازہ ہوا کہ وہ ان زبانوں میں اظہارِ خیال کر سکتے ہیں۔ طلبہ کے پروگرام کے بعد مجھ سے خطاب کی فرمائش ہوئی تو میں نے اس بات پر زور دیا۔

پئے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نہ تواں خدا را شناخت

علم کی راہ میں ہمارے اسلاف کی محنت اور کد وکاوش کی بعض مثالیں پیش کیں اور

کہا کہ ادارہ جن اعلیٰ مقاصد کے لیے قائم ہوا ہے، اساتذہ اور طلبہ انہیں ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

جامعۃ المحصنات کے نام سے پاکستان میں دس گیارہ ادارے قائم ہیں۔ یہ ایک ٹرسٹ کے تحت چلائے جارہے ہیں۔ اس کا تعلیمی نظام رابطۃ المدارس بورڈ کے تحت ہے۔ کم از کم میٹرک پاس طالبات کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ جو طالبات انگلش میں انٹر (F.A) کرنا چاہتی ہیں ان کے لیے اس کی سہولت فراہم کی جاتی ہے۔ یہ ادارے ابھی ابتدائی مرحلے میں ہیں۔ آگے کے مراحل پر عمل درآمد ہو تو اسلامی جذبات سے معمور طالبات تیار ہوسکتی ہیں۔ یہاں کی معلمات اور طالبات سے خطاب کا موقع ملا۔ جماعت اسلامی ہند تعلیم کے میدان میں کافی آگے ہے۔ اس کے اراکین اور کارکنوں کے ذریعہ خواتین کی دینی تعلیم کے متعدد ادارے چل رہے ہیں اور بڑی جامعات بھی موجود ہیں۔

بعد مغرب (6:30) ادارۂ معارفِ اسلامی لاہور کی طرف سے مختصر سی علمی نشست کا اہتمام تھا۔ اس کے لیے دعوت نامے جاری کیے گئے تھے۔ لیکن توقع سے زیادہ افراد نے شرکت کی۔ اس عاجز نے اپنے اظہارِ خیال میں عرض کیا۔ اس دور کا سب سے بڑا مسئلہ مادیت کا غلبہ ہے۔ مادیت انسان کے فکر و عمل، تہذیب و تمدن، معیشت و سیاست ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ مذہب و اخلاق بھی اس کے تابع ہوکر رہ گئے ہیں۔ آدمی اس سے اوپر اٹھ کر سوچنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ یہ صورتِ حال بڑی بھیانک ہے لیکن نئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو اسی صورتِ حال سے سابقہ پیش آتا رہا ہے۔ محمد ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو دنیا اسی مادیت میں گرفتار تھی۔ اس کی وجہ سے ہر طرف ظلم و استحصال تھا، حقوق پامال ہورہے تھے، اور سماج عدل و انصاف سے محروم تھا۔ محمد ﷺ نے یہ حقیقت واضح کی کہ اس بگاڑ کی اصل وجہ خدا اور رسول کا انکار اور آخرت فراموشی ہے۔ اگر خدا کا تصور واضح ہو، انسان اس کی ہدایت کو تسلیم کرے اور یہ بات مان لے کہ آخرت کی کامیابی اور ناکامی ہی اصل ہے تو وہ مادیت کی دلدل سے نکل سکتا ہے۔ دنیا ظلم سے پاک ہوسکتی اور نظامِ حیات امن و امان اور عدل و انصاف پر قائم ہوسکتا ہے اور اس کی آخرت بھی سنور سکتی ہے۔ یہی کام آج کرنے کا ہے۔

تقریر کے بعد تھوڑی دیر سوال و جواب کا سلسلہ رہا۔ اس مجلس کی رپورٹ

پاکستان کے سینئر صحافی اور مشہور کالم نگار عطاء الرحمان صاحب نے روزنامہ نوائے وقت میں شائع کی۔اس کے آغاز میں وہ لکھتے ہیں:

''مولانا جلال الدین عمری، جماعت اسلامی ہند کے نائب امیر اور مسلمانانِ بھارت کی سربرآوردہ علمی شخصیت، اسلام اور دورِ حاضر کو درپیش مسائل سے متعلق کئی موضوعات پر علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ علی گڑھ سے شائع ہونے والے سہ ماہی (مجلّہ) 'تحقیقات اسلامی' کے مدیر اور اعظم گڑھ میں قائم ممتاز درس گاہ جامعۃ الفلاح کے شیخ الجامعہ بھی ہیں۔ یوں ان کی ذات میں علم، تحقیق، تعلیم و تدریس اور توسیعِ علم کے اوصاف جمع ہو گئے ہیں۔ مولانا جلال الدین عمری ان دنوں اسلام آباد کے سرکاری ادارے تحقیقاتِ اسلامی کے زیر اہتمام 'اجتہاد' پر ہونے والی عالمی کانفرنس میں شرکت کے لیے پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ گزشتہ شب ادارۂ معارفِ اسلامی منصورہ لاہور نے ان کے ساتھ نشست کا اہتمام کر رکھا تھا۔ مولانا عمری نے بیس منٹ تک خطاب کیا پھر جچے تلے انداز میں سوالات کے جواب دیے۔ سید منور حسن میرِ محفل تھے، مولانا محمد ادریس مہتمم کے فرائض سر انجام دے رہے تھے۔ مولانا جلال الدین عمری نے آغازِ کلام کیا، گویا دبستاں کھل گیا۔ ایک مدت کے بعد گنگا اور جمنا میں ڈھلی ہوئی زبان سننے کا اتفاق ہوا۔ پچھلے ہفتے اسلام آباد میں 'اردو ہے جس کا نام' کے زیر عنوان ایک عالمی کانفرنس ہوئی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق بڑے بڑے ادیب اور شعراء شریک ہوئے۔ زبان و کلام اور اظہار کے مختلف پہلو اور نت نئے اسالیب اس میں سامنے آئے ہوں گے، لیکن مولانا عمری کا لہجہ، طرزِ تکلم، الفاظ کا انتخاب، ان کی ادئیگی، اس پر مستزاد مسلمانانِ یوپی و دہلی کی تہذیبی روایات کی انعکاسی کرنے والی وضع قطع سب نے مل کر ایسا سماں باندھا کہ گزرا ہوا عہد آنکھوں کے سامنے گھوم گیا، میری نسل کے جن اہلِ پاکستان نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ان کے بڑے بھائی مولانا ابوالخیر مودودیؒ، مولانا امین احسن اصلاحی، حکیم حبیب اشعر، خواجہ محمد شفیع دہلوی اور حکیم سعید دہلوی جیسی شخصیات میں رچی بسی اس تہذیب کی جھلکیاں دیکھی ہیں۔ ان کے لیے مولانا جلال الدین عمری کی یہ نشست یوں سمجھئے کہ قندِ مکرر کا لطف دے گئی۔''

(نوائے وقت ١٧/ مارچ ٢٠٠٥ء)

ان الفاظ میں حقیقت سے زیادہ محبت اور خلوص کا اظہار ہے۔ اسے ایک مہمان کی تکریم اور ہمت افزائی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وقت کے اکابر کے ساتھ ایک چھوٹے فرد کا نام بھی شامل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور اس حسنِ ظن کو پورا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

جب سے علمی دنیا سے تعارف ہوا پنجاب یونیورسٹی کا نام سن رکھا تھا۔ یہ برّصغیر کی ان قدیم یونیورسٹیوں میں سے ایک ہے جنھیں بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ اس کی بڑی خدمات ہیں۔ لاہور ایئر پورٹ سے جب ہم پنجاب یونیورسٹی کے کیمپس کے قریب سے گزرے تو اسے دیکھنے کی خواہش ابھر آئی اور یہ طے ہوا کہ اس کا موقع ضرور نکالا جائے گا۔ اسی اثناء میں یونیورسٹی کے شعبۂ علومِ اسلامیہ کی جانب سے 'اسلامی تحقیق کی ضرورت، اہمیت اور طریقِ کار' کے موضوع پر خطاب کی دعوت دی گئی۔ میں نے بخوشی اسے منظور کر لیا۔ ۱۶؍ مارچ ۲۰۰۵ء کو صبح دس بجے پروگرام شروع ہوا۔ آڈیٹوریم میں شعبہ کے اساتذہ کرام کے علاوہ ایم اے، ایم فل اور پی، ایچ، ڈی کے طلبہ و طالبات کئی سو کی تعداد میں موجود تھے۔ حسبِ معمول تعارف کے بعد اظہارِ خیال کے لئے کہا گیا۔ میں نے عرض کیا کہ اسلامیات پر تحقیقی کام افراد کے ذریعہ بھی اور دینی اداروں، جامعات اور یونیورسٹیوں کے ذریعہ بھی ہوتا رہا ہے اور بعض بڑے قابلِ قدر کام انجام پائے ہیں۔

یونیورسٹیوں میں ریسرچ کے کام بالعموم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک کی نوعیت تاریخی ہے۔ جیسے افراد کی سوانح، خدمات یا کسی خاص دور کا مطالعہ اور جائزہ۔ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے ماضی کی صحیح صورت حال سامنے آتی ہے، غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں اور ان سے سبق بھی سیکھا جا سکتا ہے۔ دوسرا کام مخطوطات کے ایڈٹ کرنے کا ہوتا ہے۔ اس سے قدیم مطبوعہ یا غیر مطبوعہ نسخے تصحیح کے ساتھ سامنے آتے ہیں اور استفادہ آسان ہوتا ہے۔ یہ علم کی بڑی خدمت ہے۔ اس میدان میں ماضی قریب میں عرب مصنفین نے قدیم عربی تصنیفات کی جس دقتِ نظر سے تحقیق کی اور انھیں ایڈٹ کیا ہے اس میں وہ سب سے آگے نظر آتے ہیں۔

دینی علوم کے ماہرین اور دینی اداروں کے موضوعات بالعموم وہ ہوتے ہیں جو خود ان کے درمیان زیرِ بحث رہتے ہیں۔ جیسے توحید، شرک، بدعت، فہمِ قرآن، فہمِ حدیث ان کی تعبیر و تشریح میں اختلاف، فقہی مسائل میں راجح مسلک کی تعیین وغیرہ۔ اس طرح کے مسائل پر ضخیم کتابیں اور رسائل لکھے گیے ہیں اور ہر ایک نے تحقیق کا حق ادا کرنے کی ممکن حد تک کوشش کی ہے۔ لیکن کچھ مسائل وہ بھی ہیں جو عالمی سطح پر زیرِ بحث ہیں اور ان کی طرف اسلامی محققین کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آج خدا کا وجود، رسالت کا ثبوت اور آخرت کا امکان ہی زیرِ بحث ہے۔ بہت سے لوگوں کے لیے یہی بات نا قابلِ تصور ہے کہ اسلام جو پندرہ سو سال قبل آیا تھا آج بھی اس کی معنویت باقی ہے اور وہ نا قابلِ تغیر ہے۔ اسی طرح اسلام کی معاشرت، اس کے قوانینِ حدود و قصاص، عورت اور مرد کے حقوق اور ان کے دائرۂ کار، اسلام کا سیاسی فکر، اسلام کا تصورِ عدل و مساوات، غیر مسلموں سے تعلقات اور غیر اسلامی ریاست میں مسلمانوں کا کردار جیسے بہت سے موضوعات ہیں جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان موضوعات پر کام نہیں ہوا ہے۔ بہت سی قیمتی تحقیقات موجود ہیں لیکن اس کے باوجود یہ مزید تحقیق اور غور و فکر کا تقاضا کرتے ہیں۔

پروگرام ختم ہونے کے بعد صدرِ شعبہ کے ساتھ لائبریری دیکھنے کا موقع ملا۔ خاصی بڑی لائبریری ہے اور ریسرچ اسکالرس کی ضروریات بڑی حد تک پوری کر سکتی ہے۔

اس کے فوراً ہی بعد یونیوسٹی کے 'ادارۂ تعلیم و تحقیق' کے اساتذہ کے ساتھ نشست تھی۔ بیس پچیس افراد شریک تھے۔ ان میں علمی موضوعات کے ساتھ ہندوستان اور پاکستان کے حالات بھی زیرِ بحث رہے۔ پنجاب یونیورسٹی کا نیا کیمپس کافی وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ درمیان میں نہر ہے اس کی وجہ سے منظر بڑا خوش نما ہے۔ اس کے سرسری معائنہ کے لیے بھی کافی وقت چاہیے تھا۔ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے کچھ حصہ دیکھنے کا موقع ملا۔ دیر گئے واپسی ہوئی۔

۱۶ر مارچ کو بعد عشاء ۸:۳۰ بجے سید منور حسن صاحب قیم جماعت اسلامی پاکستان نے مرکزِ جماعت میں 'تقریبِ ملاقات' کا اہتمام کیا۔ اس میں لاہور میں موجود جماعت کے ذمہ دار اصحاب، اور بعض دوسرے احباب شریک ہوئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ

بہ یک وقت ان سب حضرات سے تعارف و ملاقات کا موقع نکل آیا۔ سید منور حسن صاحب کے ابتدائی کلمات کے بعد محترم قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعت اسلامی پاکستان نے وحدتِ امت کے تصور پر اظہارِ خیال فرمایا کہ مسلمان کسی بھی ملک میں ہوں، کوئی بھی زبان بولتے ہوں اور ان کے کتنے ہی رنگ روپ ہوں وہ سب ایک ہیں۔ اسلام نے ان سب کو ایک امت بنایا ہے۔ ان سب کا مقصدِ حیات ایک ہے اور سب ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس امت کو اسلام ہی نے ایک رشتۂ وحدت میں پرویا ہے۔ اگر اس کے اندر یہ احساس جاگ اٹھے تو اس کا انتشار دور ہوسکتا ہے اور وہ اتحاد و اتفاق کی منزل کی طرف پیش قدمی کرسکتی ہے۔ اس سے عالمی سطح پر اس کے بہت سے مسائل حل ہوسکتے ہیں اور اس کی سربلندی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔

محترم قاضی صاحب کی تقریر کے بعد مجھے اظہارِ خیال کا حکم ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ اس دور کی ایک خاص بات یہ ہے کہ مختلف ملکوں میں اسلامی تحریکات کام کر رہی ہیں۔ ان سب کا مقصد اقامتِ دین ہے۔ اقامتِ دین کا تصور بڑا وسیع ہے۔ اس کا تعلق فرد، معاشرے اور ریاست ہر ایک سے ہے۔ اس کا پہلا مرحلہ فرد کا اپنی ذات پر دین قائم کرنا ہے۔ اس پر ہماری اصل توجہ ہونی چاہیے۔ اس کے بعد ہی سماج اور ریاست پر دین کا قائم کرنا آسان ہوگا۔ اقامتِ دین کا کام دعوتِ دین سے شروع ہوتا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں جماعتِ اسلامی ہند کی کوششوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ جماعت نے ہندوستان کی تمام بڑی زبانوں میں قرآن و حدیث کے تراجم اور اسلامی لٹریچر تیار کیا ہے، اور اسے عام کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ دلچسپی سے یہ باتیں سنی گئیں۔ پروگرام کے بعد عشائیہ تھا جس میں سبھی حضرات نے شرکت کی۔

ان چار دنوں میں کئی ایک اخبارات نے بہت تفصیل سے انٹرویو لیے۔ ان انٹرویوز میں ہندوستان کی سیاسی صورتِ حال، اس کا سیکولر کردار، مسلمانوں کی تعلیمی کوششیں، مدارس کا نصاب، موجودہ دور میں اجتہاد کی اہمیت، جماعت اسلامی کی خدمات، مسلم تنظیموں کی حالت، اسلام کی دعوت اور اس کے اثرات اور مسلمانوں کو درپیش دیگر بہت

سے مسائل شامل تھے۔ ہفت روزہ 'تکبیر' کراچی کے نمائندے نے تین صفحات پر مشتمل اپنے انٹرویو پر حسبِ ذیل نوٹ لکھا جس سے سوالات کی نوعیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

''جماعتِ اسلامی ہند کے نائب امیر سید جلال الدین عمری گزشتہ دنوں لاہور تشریف لائے تو خواہش ہوئی کہ ان کے خیالات کی روشنی میں یہ دیکھا جائے کہ ایک مذہبی اور سیاسی رہنما کی حیثیت سے ان کی نظر میں بھارت کے سیاسی منظرنامے کے خدوخال کیا ہیں۔ ہندو غلبہ رکھنے والے معاشرے میں عام شہری بن کر رہنے اور ایک اسلامی جماعت کے قائد کے طور پر شب و روز گزارنے میں کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے مابین بہتر تعلقات کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، بھارت کے مسلمان اور بالخصوص ہندو اکثریت اس میں کتنی دلچسپی رکھتی ہے۔ عام مسلمانوں کی بھارت میں کیا حالت ہے۔ وہ کن حالات سے گزر رہے ہیں۔ ملکی سیاست میں ان کا کیا کردار ہے۔ انہیں کوئی فیصلہ کن پوزیشن حاصل ہے یا نہیں۔ سماجی لحاظ سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ ان سے کی جانے والی گفتگو میں یہ جاننے کا موقع ملا کہ وہ اپنے ملک بھارت کے معاملات کو کس انداز سے دیکھتے ہیں'' (ہفت روزہ تکبیر ۱۷ر تا ۲۳ر مارچ ۲۰۰۵ء)۔

اس سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ ہندوستان اور ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق پاکستانی عوام کے ذہن میں ابھرنے والے سوالات کیا ہیں اور وہ کس قسم کی معلومات چاہتے ہیں؟ ان سوالات میں ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی حالت زیرِ بحث نہیں آئی۔ اس سے دل چسپی بھی کم ہی دیکھنے میں آئی۔

روزنامہ 'جسارت' کراچی کے ہفت روزہ ایڈیشن 'فرائڈے اسپیشل' اور ہفت روزہ 'ایشیا' کے انٹرویوز بھی خاصے طویل اور ان اخبارات کے پانچ چھ صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔ روزنامہ 'پاکستان' کا شمار وہاں کے بڑے اخبارات میں ہوتا ہے۔ اس نے پورے ایک صفحہ پر انٹرویو شائع کیا۔ ان اخبارات نے اس عاجز کے خیالات کو جو اہمیت دی اس کے لئے میں شکرگزار ہوں، گو کہ بعض مسائل میں میرے خیالات کی صحیح ترجمانی نہیں ہو سکی۔ بعض دوسرے اخبارات کے انٹرویز مجھے نہیں مل سکے۔

۱۷ر مارچ کو لاہور کی سیر کا پروگرام تھا لیکن اس سے پہلے صبح نو بجے جامعہ مرکز علوم اسلامیہ لاہور میں اساتذہ وطلبا سے خطاب تھا۔ اس سے فارغ ہوکر جناب ملک محمد اشرف اعوان صاحب کے ساتھ لاہور کی سیر کے لئے نکلا۔ حضرت علی ہجویریؒ کے مزار پر حاضری دی۔ حضرت علی ہجویریؒ کا مقبرہ یا مزار شہنشاہ اکبر نے تعمیر کرایا تھا اس لیے اس میں اس دور کے فنِ تعمیر کی شان نظر آتی ہے۔ بھٹو صاحب نے اپنے دورِ حکومت میں اس کے گیٹ پر سونے کی چادر چڑھائی تھی۔ آج کل یہ محکمۂ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ مقبرہ کے چاروں طرف وہی منظر دیکھا جو ہندوستان کی درگاہوں میں نظر آتا ہے۔ مزار پر نذرانے چڑھ رہے تھے، اس کے سامنے سجدے ہو رہے تھے، دعائیں کی جارہی تھیں اور صاحبِ مزار سے استعانت واستمداد کے عمل میں سیکڑوں مرد وخواتین شریک تھے۔ یہ اس امت کا حال ہے جو توحیدِ خالص کی علم بردار ہے۔ مزار کے احاطے سے باہر نکلے ہی تھے کہ تیز بارش کا سلسلہ شروع ہوگیا لیکن ہمارا سفر جاری رہا۔ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی شاہی مسجد، مزارِ اقبال، منارۂ پاکستان وغیرہ دیکھنے کا موقع ملا۔ ۱۷ر مارچ کی شب میں یہ عاجز اسلام آباد اس احساس کے ساتھ روانہ ہوا کہ لاہور مزید وقت کا تقاضا کرتا ہے۔ یہاں کے بہت سے قدیم وجدید ادارے ہیں جنہیں دیکھنا چاہیے تھا۔ بہت سی دینی، علمی وادبی شخصیتیں ہیں جن سے ملاقات کرنی تھی جو نہیں ہوسکی۔

دوستوں نے لاہور ایئر پورٹ پر الوداع کہا اور میں اسلام آباد روانہ ہوگیا۔ جہاز کسی قدر تاخیر سے روانہ ہوا اور 9:30 بجے کے قریب اسلام آباد پہنچا۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب ایئر پورٹ پر موجود تھے۔ ڈاکٹر عصمت اللہ سے میری ملاقات سعودی عرب کی ہے جب کہ وہ مکہ مکرمہ میں زیرِ تعلیم تھے۔ یونیورسٹی کی گاڑی میں ہم لوگ روانہ ہوئے۔ رات کا وقت تھا۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کا فطری حسن بجلی کی روشنی میں اپنے جلوے دکھا رہا تھا۔ ہم لوگ سیدھے ہوٹل چٹو رایل (Chateau Royal) پہنچے۔ یونیورسٹی کی طرف سے یہیں قیام کا انتظام تھا۔ ہوٹل ہی میں ہم لوگوں نے کھانا کھایا اور رات گئے ڈاکٹر عصمت اللہ روانہ ہوگئے۔ صبح ڈاکٹر محمد طاہر منصوری صدر شعبۂ اسلامی قانون

اسلامی یونیورسٹی ہوٹل تشریف لائے۔ وہ سیمینار کے آرگنائزر اور روحِ رواں تھے۔ اس کے لئے انہوں نے اس عاجز سے مسلسل رابطہ رکھا۔ وہ عربی اور اردو میں کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ وہ روانہ ہوئے ہی تھے کہ محترم ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری تشریف لے آئے، جو اسلامی یونیورسٹی میں اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ہیں۔ اسی کے تحت سیمینار ہو رہا تھا۔ سیمینار میں شرکت کا باضابطہ دعوت نامہ انہیں کی طرف سے تھا۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری علمی دنیا کی معروف شخصیت اور انگریزی کے ادیب ہیں۔ اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر (LEICESTER) لندن سے بھی ان کا تعلق ہے۔ انہوں نے مولانا مودودیؒ کی تفہیم القرآن کے تین حصوں کا بعض دوسرے رفقاء کی مدد سے ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ اسے ایڈٹ بھی کیا ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ اب انہوں نے مولانا کے ترجمہ قرآن مع مختصر حواشی کا ترجمہ مکمل کر لیا ہے جو اشاعت کے مرحلے میں ہے۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ بڑی نستعلیق اور مہذب شخصیت ہے۔ بہت دھیمے اور شائستہ انداز میں بولتے ہیں۔ بڑی اپنائیت کے ساتھ خیریت اور حالات معلوم کرتے رہے اور یونیورسٹی آنے کی دعوت دے کر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد یونیورسٹی کی گاڑی آ گئی۔ میں ان کے دفتر پہنچا، وہاں شعبہ کے بعض اساتذہ سے تعارف حاصل ہوا۔

۱۸ / مارچ جمعہ کا دن تھا۔ ڈاکٹر محمد طاہر منصوری کے ساتھ فیصل مسجد میں نماز پڑھی۔ فیصل مسجد بڑی کشادہ اور بہت خوب صورت ہے۔ نئی مسجدوں میں شاید ہند و پاک میں کوئی مسجد اتنی خوب صورت اور وسیع نہ ہوگی۔ مسجد اور اس کے حسنِ انتظام کو دیکھ کر انبساط اور سرور کی کیفیت محسوس ہوئی۔ بتایا گیا کہ اس حسین مسجد میں دو لاکھ افراد بہ یک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد میں خواتین کے لئے بھی نماز کا انتظام ہے اور خواتین شریک ہوتی بھی ہیں۔ جمعہ میں خواتین کی بڑی تعداد موجود تھی۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی اس لئے پوری مسجد دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ ہم لوگ مسجد پہنچے تو جامعہ کی مشہور شخصیت ڈاکٹر خالد مسعود صاحب تقریر کر رہے تھے۔ عالم اسلام کے معروف عالم اور فقیہ وھبہ زحیلی نے، جن کی کتاب 'الفقہ الاسلامی وأدلتہ' اسلامی فقہ پر ایک دائرۃ المعارف ہے، جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ نماز

کے بعد ڈاکٹر محمد طاہر منصوری کے ساتھ اپنے مستقر ہوٹل پہنچا اور شام تک دوستوں سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔

۱۹/ مارچ کو صبح 10:30 بجے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے خوب صورت آڈیٹوریم میں سیمینار شروع ہوا۔ سیمینار کا موضوع تھا 'اجتماعی اجتہاد: تصور، ارتقاء، اور عملی صورتیں'۔ اجتہاد کی اہمیت وضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ شریعت کے دائمی اور ابدی ہونے کا لازمی تقاضا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہر دور میں انفرادی اجتہاد ہوتا رہا ہے، یا سابقہ اجتہادات کی روشنی میں فتوے دیے گئے یا فیصلے ہوئے ہیں لیکن موجودہ دور میں حالات اتنے بدل گئے ہیں اور مسائل اس قدر پیچیدہ ہو گئے ہیں کہ کسی ایک فرد کے لئے شریعت کی روشنی میں ہر معاملہ میں رہنمائی کرنا دشوار ہے، اس لئے یہ رجحان ابھر رہا ہے کہ اجتہاد اجتماعی ہو۔ پیش نظر مسائل سے واقف کار افراد اور دین وشریعت کے ماہرین مل بیٹھیں اور آپس کے تبادلۂ خیال کے بعد اسلام کا موقف واضح کریں۔ اس مسئلے میں اللہ کا شکر ہے کہ مختلف ممالک میں علمی ادارے کام کر رہے ہیں۔ ان میں ہندوستان کی اسلامک فقہ اکیڈمی کا بھی شمار ہوتا ہے۔ لیکن ابھی یہ طریقۂ کار عام نہیں ہے۔ اس پس منظر میں سیمینار کا موضوع اہم تھا۔ اسے اجتہاد کی روایت کو آگے بڑھانے کی کوشش کہا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد طاہر منصوری نے سیمینار کا بہت خوب صورت الفاظ میں تعارف پیش کیا۔ خیر مقدمی کلمات ڈاکٹر اسحاق انصاری کے تھے۔ ان کے اندازِ گفتگو کی طرح ان کی تحریر سے بھی تہذیب وشائستگی اور متانت کا اظہار ہوتا ہے۔

کلیدی خطبہ ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کا تھا۔ محترم ڈاکٹر محمود غازی صاحب سے لیسٹر میں کئی سال قبل ایک ہفتے سے زیادہ کی رفاقت رہی ہے۔ سعودی عرب میں بھی ان سے تھوڑی دیر کے لئے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ ایک معتبر علمی شخصیت ہیں۔ دینی علوم اور جدید افکار ونظریات سے براہِ راست واقف ہیں۔ میری دو کتابوں (مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ اور اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور) کے انگریزی تراجم پر ان کے تفصیلی تبصرے اسلامک بک ریویو لسٹر میں شائع ہو چکے ہیں۔ سیمینار کے دوران میں

ان سے مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کا موقع ملا۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی سیمینار کے مہمانِ خصوصی تھے۔ ان کی شرکت اور خطاب نے سیمینار کے وقار میں اضافہ کیا۔ فقہ کے میدان میں اس وقت انہیں امامت کا درجہ حاصل ہے۔

آخر میں جناب وسیم سجاد صاحب سابق چیرمین سنیٹ نے صدارتی خطبہ پیش فرمایا۔

کلماتِ تشکر جناب خلیل الرحمٰن صاحب ریکٹر جامعہ اسلامیہ نے ادا کیے۔ وہ پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس رہ چکے ہیں۔ تین سال قبل حج میں تقریباً ایک ہفتہ ان کا ساتھ رہا۔ ان کی وضع قطع علماء کی سی ہے اور سیرت و اخلاق میں جاذبیت پائی جاتی ہے۔ انہیں حج کے ایام کی رفاقت یاد تھی۔ بڑی محبت سے ملے۔

سیمینار میں ہندوستان سے اس خاکسار کے علاوہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی، مولانا محمد سعود عالم قاسمی، ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور مولانا فہیم اختر ندوی نے شرکت کی۔

سیمینار کی مختلف نشستیں رہیں۔ پہلی نشست اس عاجز کی صدارت میں ہوئی۔ موضوع تھا 'اجتماعی اجتہاد: تصور، ارتقاء، شرعی حیثیت اور اصول وضوابط'۔ اس پر کئی پہلوؤں سے گفتگو ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ اجتماعی اجتہاد دراصل باہم مشورے سے کسی نتیجے تک پہنچنے کا نام ہے۔ ہمارے فقہاء نے قضا کے جو آداب بیان کئے ہیں ان میں اہلِ علم سے مشورہ بھی شامل ہے۔ اسے اجماع تو نہیں کہا جا سکتا البتہ یہ اجماع کی طرف ایک طرح کی پیش قدمی ہے۔ اجتماعی غور وفکر کی اسلامی تاریخ میں دورِ اول سے روایت رہی ہے اور مسائل پر مل جل کر غور وفکر ہوتا رہا ہے۔ البتہ فقہِ اسلامی کے مطالعہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کون سا اجتہاد انفرادی ہے اور کون سا اجتہاد اجتماعی ہے۔ اسی طرح اس کے اصول وضوابط بھی متعین نہیں ہیں، ان کی تعیین کی کوشش ہونی چاہیے۔

سیمینار کا آخری اجلاس برادرم خالد سیف اللہ رحمانی کی صدارت میں ہوا جس کا موضوع تھا 'اجتماعی اجتہاد اور اہم عصری مسائل'۔ اس طرح سمینار کے آغاز اور اختتام کا اعزاز دو ہندوستانیوں کو حاصل ہوا۔

سیمینار کی خاص بات یہ تھی کہ پہلے اور دوسرے روز بعد مغرب توسیعی خطابات تھے۔ پہلے روز اس عاجز کا اور مولانا جاوید احمد غامدی صاحب کا خطاب تھا۔ جاوید احمد غامدی صاحب اپنے بعض نئے خیالات کی وجہ سے وہاں زیرِ بحث رہتے ہیں۔ بجلی کی خرابی کی وجہ سے میں آڈیٹوریم میں دیر سے پہنچا۔ ان کی تقریر سے استفادہ نہ کر سکا۔ میں نے اپنے خطاب میں کہا کہ عبادات اور معاشرت کے احکام شریعت میں تفصیل سے بیان کر دیے گئے ہیں جن میں اجتہاد کی ضرورت کم ہی پیش آتی ہے۔ اس سلسلے میں جو طویل بحثیں ہمارے ہاں موجود ہیں ان کا تعلق زیادہ تر اس امر سے ہے کہ احکام کی نوعیت کیا ہے اور یہ کس شکل میں انجام دیئے جائیں گے اور ان پر صحابۂ کرام کا کس طرح عمل ہوتا رہا ہے۔ اجتہاد کی ضرورت عام طور پر معاملات اور سیاسی امور و مسائل میں پیش آتی ہے۔ ان میں شریعت نے زیادہ تر اصولی ہدایات دی ہیں۔ موجودہ حالات پر ان کا انطباق اور ان کی روشنی میں اسلامی احکام کو معلوم کرنا ایک اہم ضرورت ہے۔ یہ ضرورت اجتہاد ہی کے ذریعہ پوری ہو سکتی ہے اور اس میں اجتماعی کوشش بھی ہونی چاہیے۔ سیمینار کی صدارت محترم مولانا محمود احمد غازی صاحب، صدر اسلامی یونیورسٹی فرما رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ جن دو اصحاب نے اس وقت خطاب کیا بعض مسائل میں ان کا اندازِ فکر مختلف ہو سکتا ہے لیکن ہمیں خوشی ہے کہ اجتہاد کی ضرورت، اس کے دائرۂ کار اور اجتماعی اجتہاد کی ضرورت پر ان کا اتفاق ہے۔

سیمینار کے دوسرے روز بھی ڈاکٹر محمد خالد علوی کی صدارت میں توسیعی خطابات کا پروگرام تھا۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا ابو عمار زاہد راشدی صاحب نے خطاب کیا۔ مولانا زاہد راشدی کا زور اس بات پر تھا کہ پاکستان میں اجتماعی اجتہاد کا عمل جاری ہے۔ انہوں نے سیاسی طور پر جو مشترکہ کوششیں ہوئیں انہیں اجتماعی اجتہاد قرار دیا۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے سنجیدہ انداز میں اس سے اختلاف کیا اور اس کی نوعیت واضح کی۔ آخر میں ڈاکٹر خالد علوی صاحب کے خطاب سے اس کی مزید وضاحت ہوئی۔

۲۱/ مارچ کو سیمینار ہی سے متعلق پاکستانی ٹیلی ویژن سے ڈاکٹر خالد مسعود علوی، مولانا عبد الرحمٰن مدنی اور اس عاجز کا پروگرام نشر ہوا۔ سوالات اجتماعی اجتہاد اور پارلیمنٹ کے

حقِ اجتہاد اور عورت کی امامت وغیرہ سے متعلق تھے۔ میں نے عورت کی امامت کے ذیل میں عرض کیا کہ اس پر امت کا اتفاق ہے کہ عورت نماز میں مردوں کی امامت نہیں کر سکتی۔ دورِ اول سے آج تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ عورت عورتوں کی جماعت کی امامت کر سکتی ہے یا نہیں؟ میرے خیال میں یہ جائز ہے اور سلف سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

اسی روز جناب ڈاکٹر خالد مسعود صاحب کی صدارت میں میں نے اپنا مضمون 'دارالاسلام اور دارالکتاب کا تصور جدید عالم گیریت کے سیاق میں' پیش کیا۔ میں نے عرض کیا کہ فقہاء نے یہ تقسیم اپنے دور کے پس منظر میں کی ہے۔ اس کی بنیاد پر پورے اسلام کے تصورِ سیاست پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ درست نہیں ہیں، البتہ یہ تقسیم جن مخصوص حالت میں کی گئی تھی وہ تبدیل ہو چکے ہیں۔ اس پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔

مجھے دل چسپی صحت کے موضوع سے رہی ہے۔ چنانچہ 'صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات' کے عنوان سے میری ایک ضخیم کتاب ۱۹۹۴ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کا ملیالم زبان میں ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔ ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب نے کویت کے ادارے 'المنظمة العالمية للعلوم الطبية' پر اپنا مقالہ پیش فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس ادارہ نے اس موضوع پر خاصا کام کیا ہے اور متعدد سیمینار کر چکا ہے اور اس کی تحقیقات بھی سامنے آ چکی ہیں۔ افسوس کہ اس ادارہ سے میرا کوئی ربط نہیں رہا ورنہ اس کی معلومات سے استفادہ کیا جا سکتا تھا اور میری کتاب بھی شاید ادارہ کے لیے قابلِ توجہ ہوتی اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتا۔

سیمینار کا ابتدائی خاکہ بہت خوب صورت اور جامع تھا جس میں بہت سے نئے موضوعات کی نشان دہی کی گئی تھی لیکن چند ایک موضوعات ہی زیرِ بحث آ سکے۔ سیمینار میں گو کہ مختلف حلقوں کی نمائندگی تھی لیکن یہ اس سے زیادہ نمائندہ ہو سکتا تھا۔ خود پاکستان کے بعض بڑے اداروں اور اہم شخصیات کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ سیمیناروں میں مقالات پڑھے تو جاتے ہیں لیکن بالعموم نتیجہ خیز گفتگو نہیں ہو پاتی، یہ صورت حال یہاں بھی رہی۔ سیمینار کے آخر میں بعض قراردادیں منظور کی گئیں۔

تقسیمِ ملک کے بعد پاکستان کی راجدھانی کراچی تھی۔ صدر ایوب خاں کے دور میں راجدھانی اسلام آباد منتقل ہوگئی۔ اسلام آباد کا محلِ وقوع بڑا حسین اور خوب صورت ہے۔ سرسبز وشاداب اور رنگین پہاڑیوں کے درمیان واقع یہ شہر اپنے اندر بڑی دل کشی رکھتا ہے، مزید یہ کہ اسے ایک منصوبے کے تحت اس طرح بسایا جارہا ہے کہ اس کا فطری حسن متاثر نہ ہو۔ ایک سیکٹر اور دوسرے سیکٹر کے درمیان خاصی طویل سبز پٹی (Green Belt) ہے۔ اس کے اطراف واکناف کے علاقے بھی اپنی خوب صورتی کے لئے مشہور ہیں۔ خاص طور پر 'مرّی' کا ذکر آتا رہا ہے۔ جی چاہتا تھا کہ ان مقامات کو گھوم پھر کر دیکھا جائے، لیکن سمینار کے دوران میں مسلسل بارش کی وجہ سے اس گل گشت کا موقع نہیں ملا۔ ۲۲ر مارچ کو یونیورسٹی کی طرف سے سیر وتفریح کا پروگرام بن سکتا تھا لیکن میں نے بعض پیشگی مصروفیات کی وجہ سے معذرت کرلی۔ البتہ ۲۲ر کی صبح خلیل الرحمٰن چشتی صاحب کے صاحب زادے ۹ ربجے مجھے ہوٹل سے لے گئے اور اسلام آباد کے بعض خاص مقامات کی سیر کرائی اور حسبِ پروگرام ایک بجے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز (INSTITUTE OF POLICY STUDIES) یا (I.P.S.) پہنچا دیا۔ یہ اپنی نوعیت کا ایک اہم تحقیقی ادارہ ہے، اس کا مقصد تعلیم، سیاست، معیشت، صنعت اور ٹکنالوجی کے میدانوں میں عالمی سطح پر جو پالیسیاں وضع کی جاتی ہیں اور جو براہ راست یا بالواسطہ امتِ مسلمہ پر اثر انداز ہوسکتی ہیں، ان کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے اور آج کے حالات میں اسلام ان کا جو متبادل حل پیش کرتا ہے اسے پیش کیا جائے۔ اس کے پس منظر میں خاص طور پر پاکستان ہوتا ہے I.P.S. اب تک ان موضوعات پر 163 کتابیں شائع کرچکا ہے۔ سات جرائد ورسائل یہاں سے نکل رہے ہیں۔ مختلف موضوعات پر ایک ہزار سے زیادہ رپورٹیں اس کے پاس موجود ہیں۔ اس ادارے سے پاکستان اور بیرون پاکستان کی بعض ممتاز شخصیتیں وابستہ ہیں۔ اس کی قیادت و سربراہی محترم پروفیسر خورشید احمد کررہے ہیں۔ پروفیسر خورشید احمد عالمی شہرت کے حامل ماہرِ معاشیات ہیں۔ وہ حکومتِ پاکستان میں وزیر اور پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین رہ چکے ہیں۔ وہ زندگی کے مختلف معاملات ومسائل میں اپنے خطابات اور لکچرس کے ذریعہ اسلام کی

ترجمانی کے فرائض آج بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ان کی اسلامی خدمات پر انہیں ۱۹۹۰ء میں فیصل ایوارڈ مل چکا ہے۔ایوارڈ کے بعد سعودی عرب میں ان کے دوست احباب نے مبارک باد کی تقریب رکھی تھی۔اتفاق سے اس وقت میں سعودی عرب میں تھا۔میں نے بھی اس تقریب میں شرکت کی۔یہ ان سے میری پہلی لیکن رسمی ملاقات تھی۔جو تبریک وتہنیت سے آگے نہ بڑھ سکی۔اس کے بعد لیسٹر میں ان سے تفصیلی ملاقاتیں رہیں اور علمی وفکری مسائل پر تبادلۂ خیال کا موقع ملا۔وہ ان اصحاب میں سے ہیں جو اس بے علم کی خدمات کی قدر کرتے ہیں اور برملا اس کے اظہار میں جنہیں تامل نہیں ہوتا۔ان سے ایک طرح کی قربت اور انس محسوس ہوتا ہے۔وہ بار بار کہتے ہیں کہ تمہاری تحریروں کا انگریزی میں ترجمہ ہونا چاہیے۔ان کی خواہش میری بھی خواہش ہے لیکن اب تک صرف بعض کتابوں ہی کا ترجمہ ہوسکا ہے۔اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ مزید تراجم کی کیا صورت ہوگی؟۔

I.P.S. کے ایکزیکیٹیو ڈائریکٹر خالد رحمان صاحب ہیں۔ان کا پس منظر بھی معاشیات کا ہے۔ ادارہ کے عملاً وہی نگراں ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ انہیں بھی میرے موضوعات سے دلچسپی ہے اور بڑے پیمانے پر میری تحریوں کی اشاعت چاہتے ہیں۔

اسلام آباد پہنچنے کے دوسرے ہی روز خالد رحمان صاحب قیام گاہ پر تشریف لائے اور ۲۲؍مارچ کو تین بجے I.P.S. میں میرا پروگرام طے ہوگیا۔موضوع تھا’عورت اور معیشت‘۔مجھے اسلام کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرنی تھی۔منتخب مجمع تھا۔سو سے زیادہ ہی افراد شریک رہے ہوں گے۔اس میں خواتین کی تعداد بھی کم وبیش ایک تہائی ضرور تھی۔اجلاس کے آغاز میں پروفیسر خورشید احمد صاحب نے اس عاجز کے تعارف میں کہا کہ انہوں نے بعض بالکل نئے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور بعض موضوعات جن پر ہمارے ہاں صرف اشارات ملتے ہیں ان کی تفصیل فراہم کی اور انہیں مدلل کیا ہے۔ان کے ہاں موضوعات کا بڑا تنوع ہے۔پھر بعض نامور شخصیات کے ذیل میں اس عاجز کا نام لیا تو میری آنکھوں سے ندامت کے آنسو رواں ہوگئے اور دل اللہ تعالیٰ کے اس احسان سے لبریز ہوگیا کہ اس نے ایک طالب علم کی معمولی خدمات کو یہ وقار اور اعتبار بخشا کہ اہلِ علم انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔

میں نے اپنے خطاب میں عرض کیا کہ اسلام نے معاشی ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے۔ بیوی بچوں کا نان نفقہ اس پر لازم ہے۔ ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کی کفالت کا بوجھ بھی بسا اوقات اسے اٹھانا پڑتا ہے اس لئے وہ معاشی جدوجہد پر مجبور ہے۔

عورت پر معاشی ذمہ داریاں نہیں ہیں، اس لئے وہ شرعاً اس کے لئے نہ مجبور ہے اور نہ مجبور کی جاسکتی ہے لیکن معاشی جدوجہد کا حق وہ ضرور رکھتی ہے۔ البتہ اسے دو باتیں پیش نظر رکھنی ہوں گی۔ ایک یہ کہ اس کی خانگی ذمہ داریاں مقدم ہیں، انھیں وہ نظر انداز نہیں کرسکتی، لیکن یہاں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ جوانی میں عورت کی خانگی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ کم ہوتی چلی جاتی ہیں اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ بہت سی ذمہ داریوں سے عملاً سبک دوش ہوجاتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ گھر سے باہر معاشی جدوجہد کے لئے اسے شوہر سے اجازت لینی ہوگی، اس لئے کہ گھر اور خاندان کے نظام کو برقرار رکھنے ہی کے لئے شوہر اس کا نان و نفقہ برداشت کرتا ہے۔ ان امور کی پابندی کرتے ہوئے وہ اخلاقی حدود میں ملازمت، تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت کسی بھی میدان میں کام کرسکتی ہے۔ شریعت کی رُو سے وہ اپنے مال وجائداد اور آمدنی کی خود مالک ہے۔ جو کچھ حاصل کرے گی اس کا اپنا ہوگا اور وہ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرسکتی ہے۔ شریعت کے نقطۂ نظر سے وہ صاحبِ نصاب ہوتو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ وہ اپنے قریبی عزیزوں کی وارث ہوتی ہے اور اس کی وراثت دوسروں کو منتقل ہوتی ہے۔

تقریر ختم ہونے کے بعد سوالات کا وقفہ تھا۔ سوالات مختلف نوعیت کے تھے۔ ان کا تعلق پاکستان اور عالمی صورت حال دونوں سے تھا۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ I.P.S. کی رہنمائی میں خواتین کا ایک گروپ ان مسائل کا گہرائی سے مطالعہ کررہا ہے اور حکومتِ پاکستان جو اقدامات کررہی ہے اور معاشرے پر اس کے جو اثرات مرتب ہورہے ہیں ان کا بھی اسے شدید احساس ہے۔ آخر میں ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے اپنے صدارتی خطاب میں مغربی اقدار اور اسلامی اقدار کے مابین فرق کو واضح کیا اور بتایا کہ ہم اس کی ہر بات کی

تقلید نہیں کر سکتے۔ ہمیں اسلامی تعلیمات، کے پس منظر میں غور کرنا ہوگا۔

ڈاکٹر انیس احمد صاحب کا نام عرصہ سے سن رکھا تھا۔ غالباً کسی وقت ان سے ہندوستان میں ملاقات ہوئی تھی۔ ان سے ملاقات کو جی چاہ رہا تھا۔ وہ خود بھی ملاقات کے خواہش مند تھے۔ وہ ایک معروف اسکالر ہیں۔ اسلامی یونیورسٹی ملیشیا میں صدر شعبۂ اسلامیات، اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں دعوہ اکیڈمی کے ڈائرکٹر رہے ہیں۔ ایک پرائیوٹ یونیورسٹی Riphah International University کے وائس چانسلر ہیں۔ I.P.S. سے ان کا قریبی تعلق ہے۔ یہاں سے ان کی ادارت میں 'مغرب اور اسلام' کے نام سے ایک سہ ماہی مجلّہ نکلتا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا اردو میں غالباً واحد مجلّہ ہے۔ اس کے ہر شمارے میں کسی نہ کسی موضوع پر مغرب کے اہلِ فکر کے مضامین کا ترجمہ یا خلاصہ پیش کر دیا جاتا ہے۔ اداریہ میں یا الگ سے کسی مضمون میں ان کا نوٹس لیا جاتا ہے۔ وہ سفر پر روانہ ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے لیے I.P.S. میں ملاقات رہی اور تشنگی کا احساس چھوڑ گئی۔

۲۲ رمئی کو I.P.S. سے فارغ ہونے کے بعد 'الفوز اکیڈمی پہنچا۔ یہ اکیڈمی تعلیم یافتہ اشخاص میں اسلام کا فہم عام کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کے لئے قرآن و حدیث کے دروس کا سلسلہ جاری ہے۔ دینی موضوعات پر مفید کتابیں اور رسائل بھی اس نے شائع کئے ہیں۔ عربی کی تعلیم کا ذوق پیدا کیا جا رہا ہے اور اس کے لیے بعض کتابیں مرتب کی گئی ہیں۔ اس کے صدر جناب محمد خاں منہاس صاحب ہیں جو ملک اور بیرونِ ملک میں اعلیٰ مناصب پر کام کر چکے ہیں اور اس وقت بھی بعض اداروں کو ان کی خدمات حاصل ہیں۔ اس کے سکریٹری مولانا خلیل الرحمٰن چشتی صاحب ہیں۔ ان کی پیدائش ہندوستان کے شہر حیدرآباد کی ہے لیکن انہوں نے ایک عرصہ آسٹریلیا میں گزارا ہے۔ وہاں کی شہریت بھی انہیں حاصل تھی۔ وہ سعودی عرب اور کویت میں بھی رہے ہیں اور اب انہوں نے اسلام آباد کو وطن بنا لیا ہے۔ ان حضرات سے ۲۲ رکی شام کو الفوز اکیڈمی میں میرا پروگرام طے تھا۔ اکیڈمی کی مسجد کی نچلی منزل میں پروگرام تھا۔ ہال بھرا ہوا تھا۔ خواتین کے لئے الگ نظم تھا۔ میں نے تفصیل سے موجودہ عالمی صورت حال اور عالم اسلام پر ہونے والی فکری یورش کا ذکر کیا اور یہ بتانے کی

کوشش کی کہ ان حالات میں ہمارے کرنے کا کیا کام ہے۔ بڑے صبر وسکون سے حاضرین نے باتیں سنیں۔ بعد میں سوالات بھی ہوئے جن کے جوابات دیئے گئے۔

۲۳؍کی صبح ۷ بجے اسلام آباد سے کراچی روانگی تھی ۔۲۳؍کو پاکستان کا قومی دن منایا جاتا ہے، اس وجہ سے جہازوں کی آمد ورفت متاثر تھی،چنانچہ ساڑھے دس بجے کا اعلان ہوا۔ مولانا خلیل الرحمٰن چشتی نے رخصت کیا۔لیکن عملاً جہاز نے ۱۲؍ بجے پرواز کی اور 1.45 پر کراچی ائیر پورٹ پر لینڈ کیا۔ میں جہاز سے نکل کر چند ہی قدم چلا تھا کہ ایک نوجوان میرے نام کی تختی لئے کھڑے تھے۔جن کا تعلق ائیر پورٹ کے عملے سے تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر ان سے ملاقات کی اور چند ہی منٹ میں ان کے ساتھ باہر نکل آیا، استقبال کے لیے بالکل نئے احباب جمع تھے۔ میرے اور ان کے درمیان سوائے دین کے رشتہ کے اور کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میں زندگی میں دین کا صرف نام لیتا رہا ہوں۔اس کی برکت ہے کہ بہت سے وہ افراد بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں جن سے میں ناواقف ہوں۔ اگر کوئی شخص دین کی خدمت خلوص کے ساتھ کرے تو دلوں پر اس کی حکم رانی قائم ہوجائے۔ کراچی میں میرا قیام 'قصرِ ناز' میں تھا۔ یہ سرکاری مہمان خانہ ہے۔ یہاں بالعموم پاکستانی اسمبلی اور پارلیمنٹ کے ممبران اور اسی طرح کے اصحاب ٹھہرتے ہیں۔ یہ بڑی وسیع اور کشادہ عمارت ہے۔ چاروں طرف کمرے اور درمیان میں خوب صورت صحن ہے۔ کمرے بہت صاف ستھرے ہیں۔احاطے میں چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ پانچوں وقت نماز ہوتی ہے۔

کراچی میں بڑا ہی مصروف وقت گزرا۔ ہر روز کئی ایک پروگرام ہوئے۔ ۲۴؍مارچ کو جامعہ حنفیہ جانا ہوا۔ یہ جماعتِ اسلامی پاکستان کا قائم کردہ دینی ادرہ ہے یہاں درسِ نظامی کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے۔اس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کے ذریعہ مستند علماء دین پیدا ہوں گے۔ یہاں علماء کی تنظیم 'جمعیت اتحاد علماء ' کے نام سے کام کررہی ہے اور جمعیت طلبہ عربیہ بھی موجود ہے۔ جامع حنفیہ میں ان سب کا مشترکہ پروگرام تھا۔ میں نے دینی تعلیم کی اہمیت اور علماء دین کی ذمہ داریاں واضح کیں اور بتایا کہ امت کے اتحاد واتفاق کے لئے علماء کا اتحاد واتفاق ضروری ہے۔اس کے لئے اختلافی مسائل میں

وسعتِ ذہن ہونی چاہیے۔ فقہی مسائل میں ہر مجتہد کے پاس دلائل ہیں اس لئے کسی کو برسرِ باطل نہیں کہا جا سکتا۔ اختلافی مسائل پر ہمارے اسلاف نے جو کتابیں لکھی ہیں ان سے اس کی اچھی طرح وضاحت ہوتی ہے۔ یہ نشست ایک گھنٹے سے زیادہ جاری رہی اور مجلس میں موجود علماء نے بتایا کہ اسی نہج پر ان کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

اسی روز ادارۂ نورِ حق میں بعدِ مغرب جماعتِ اسلامی کراچی کا اجتماع تھا۔ ایک ہزار سے زیادہ کارکن جمع تھے۔ کراچی کے امیرِ جماعت ڈاکٹر معراج الھدیٰ صاحب نے جچے تلے انداز میں بہت مفصل تقریر کی۔ حزبِ اختلاف کے ممتاز قائد قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعتِ اسلامی پاکستان نے بھی خطاب فرمایا اور ملک کی سیاسی، معاشی اور تعلیمی صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ اس وقت جماعتِ اسلامی پاکستان متحدہ مجلسِ عمل کے ساتھ مل کر کام کر رہی ہے اور بڑے بڑے شہروں میں اس کے کامیاب ملّین مارچ نے اس میں شک نہیں ثابت کر دیا ہے کہ وہ ملک کی ایک بڑی سیاسی طاقت ہے۔ میری تقریر دینی و اخلاقی نوعیت کی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ جماعتِ اسلامی اقامتِ دین کے نصب العین کو لے کر اٹھی ہے۔ اقامتِ دین کا عمل ہر فرد کی ذات سے شروع ہونا چاہیے۔ اسی سے معاشرے میں دین کی اقامت اور حکومت و ریاست میں دین کی حکمرانی ہوگی۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست اور معاشرے میں اللہ کے دین کی حکمرانی ان ہی افراد کے ذریعہ قائم ہوگی جو اپنے اوپر دین قائم کرلیں۔ مجمع نے یہ باتیں توجہ سے سنیں۔

اسی دوران میں نوائے وقت کے ہفت روزہ فیملی میگزین کی معاون مدیر صوفیہ یزدانی نے اپنے ہفت روزہ کے لئے تفصیلی انٹرویو لیا۔ جس میں ملکی اور عالمی مسائل کے ساتھ خواتین سے متعلق مسائل بھی تھے۔ اسی طرح ہفت روزہ 'وجود' کو بھی انٹرویو دیا۔ جس میں خاص طور پر تحریکی موضوعات زیرِ بحث آئے۔

۲۶/ مارچ کے پروگرام میں کراچی یونیورسٹی کو دیکھنا شامل تھا۔ بعض دوستوں کے ساتھ عربی اور اسلامیات کے شعبہ میں جانا ہوا۔ ڈاکٹر نظام الدین منصوری چیئرمین شعبۂ علومِ اسلامی اور ڈاکٹر محمد اسحاق صدر شعبۂ عربی اور دیگر اساتذہ سے ملاقات ہوئی۔ سبھی

احباب اس عاجز سے کسی نہ کسی درجہ میں واقف نکلے۔ اس لئے اجنبیت کا احساس بالکل نہیں ہوا۔ بڑی محبت اور یگانگت سے بات ہوئی۔ ڈپارٹمنٹ کی لائبریری دیکھی۔ یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری 'ڈاکٹر محمود حسین لائبریری' بھی سرسری طور پر دیکھنے کا موقع ملا۔ ہر موضوع سے متعلق نئی نئی کتابیں اور قدیم کتابوں کے نئے ایڈیشن اس قدر تیزی سے سامنے آرہے ہیں کہ آدمی کی پوری زندگی بھی ان کے مطالعہ کے لئے ناکافی ہے۔ وہ کسی بھی موضوع کی صرف منتخب کتابوں ہی کا مطالعہ کرسکتا ہے۔

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اسلامک انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ کنٹمپریری اسٹڈیز (I.I.C.S.) کی دعوت پر وہاں حاضری دی۔ یہ ایک نیا ادارہ ہے۔ اس کا مقصد مدارسِ عربیہ کے فارغین کو مختلف موضوعات پر مزید مطالعہ و تحقیق کا موقع فراہم کرنا اور انہیں اس پہلو سے تیار کرنا ہے کہ وہ آج کے حالات میں اسلام کی رہنمائی کا فرض انجام دے۔ یہاں کے طلبہ اور اساتذہ کے درمیان 'عصرِ حاضر میں اجتہاد' کے موضوع پر خطاب رہا۔ بعد میں سوالات بھی ہوئے، ان کا جواب دیا گیا۔

جناب شمیم احمد صاحب مولانا سید ابوالا علیٰ مودودیؒ پر ایک دستاویزی فلم تیار کر رہے ہیں۔ ان سے انٹرویو طے تھا۔ وہ میری قیام گاہ 'قصرِ ناز' میں اپنی ٹیم کے ساتھ بعدِ مغرب پہنچ گئے۔ مولانا مودودیؒ کے علمی مقام و مرتبہ، ان کی خدمات، موجودہ دور میں ان کے افکار و خیالات کی معنویت اور مولانا سے میرا ذہنی و فکری تعلق جیسے بہت سے سوالات زیرِ بحث آئے۔ مولانا مودودیؒ اس دور کے عظیم مفکر تھے۔ بعض نامور خادمانِ دین کے ساتھ ان کا نام آسانی سے لیا جاسکتا ہے، لیکن کسی بھی بڑی سے بڑی شخصیت سے بعض امور میں اختلاف کی گنجائش بہر حال رہتی ہے۔ مولانا مودودی کی بھی ہر بات حرفِ آخر نہیں ہے۔

کراچی کا، بلکہ شاید پاکستان کا سب سے بڑا دینی ادارہ 'دارالعلوم کراچی' ہے جسے حضرت مولانا محمد شفیع عثمانیؒ مفتی اعظم پاکستان نے قائم کیا۔ مجھ جیسے دینیات کے طالب علم کے لئے وہاں حاضری دینا لازم تھا۔ اس کے بغیر کراچی کا سفر ادھورا ہوتا۔ ایک دوست نے حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی سے فون پر رابطہ کیا۔ مولانا ایک ہی روز قبل سری لنکا کے سفر سے

واپس ہوئے تھے اور کسی قدر طبیعت بھی ناساز تھی لیکن اس کے باوجود مولانا نے وقت دیا۔ صبح دس بجے ملاقات ہوئی۔ مولانا اپنی دینی خدمات کی وجہ سے پاکستان ہی نہیں، پورے عالمِ اسلام میں معروف ہیں۔ قرآن وحدیث اور فقہ پر وسیع نظر رکھتے ہیں اور موجودہ دور کے پر پیچ حالات میں رہنمائی کا حق انہیں حاصل ہے۔ مولانا کو میں نے فقہ اکیڈمی حیدرآباد کے اجلاس میں دیکھا تھا۔ لیکن تفصیلی ملاقات نہ ہوسکی تھی۔ کسی زمانے میں اس عاجز کی کتاب 'عورت اسلامی معاشرے میں' مولانا کی نظر سے گزر چکی تھی، اس لئے وہ نام سے واقف تھے۔ مولانا سے دیر تک بات چیت رہی۔ چائے سے فارغ ہونے کے بعد مولانا نے دو اساتذۂ کرام کو ساتھ کر دیا کہ وہ دارالعلوم اور لائبریری وغیرہ دکھائیں۔ دارالعلوم بہت بڑے رقبے غالبًا ساٹھ ستر ایکڑ میں پھیلا ہوا ہے۔ ہر چیز بالکل جدید طرز کی نظر آئی۔ حدیث کی کلاس دیکھی۔ کلاس روم کسی جدید کالج اور یونیورسٹی کا سا تھا۔ ہال میں کرسیاں نیچے سے اوپر کی طرف لگی ہوئی تھیں اور استاذ اسٹیج سے درس دے رہے تھے۔ اس سے طلبہ استاذ کے سامنے ہوتے ہیں اور وہ بھی استاذ کو براہِ راست دیکھتے ہیں۔ اس طرح ان کی دلچسپی باقی رہتی ہے۔ ہمارے بڑے مدارس بھی یہ انداز اختیار کرسکتے ہیں۔ دارالعلوم کی لائبریری کو اسلامیات کی بہت بڑی لائبریری کہا جاسکتا ہے۔ ہر چیز سلیقے کے ساتھ اور جدید انداز میں مرتب دیکھی۔

اس کا افسوس ہے کہ مولانا تقی عثمانی صاحب کے برادر بزرگ اور صدر دارالعلوم کراچی مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ سے ملاقات نہیں ہوسکی۔

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی ایک علمی اور تحقیقی ادارہ ہے۔ اس کی اپنی لائبریری ہے۔ اس کا اپنا مکتبہ اور مطبوعات بھی ہیں۔ اکیڈمی سے معارف فیچر سروس کے نام سے ایک پندرہ روزہ بلوٹین شائع ہوتا ہے جس میں اسلام اور امتِ مسلمہ سے متعلق موجودہ رجحانات کو بغیر نقد وتبصرہ کے پیش کیا جاتا ہے۔ پاکستان کی معروف علمی وسیاسی شخصیت پروفیسر عبدالغفور صاحب اس کے صدر ہیں۔ اکیڈمی میں ان سے ملاقات رہی۔ دوپہر کا کھانا انہیں کے ساتھ تھا۔ اکیڈمی کے رفقاء بھی شریک تھے۔ ڈاکٹر سید شاہد ہاشمی اکیڈمی کے ڈائرکٹر اور روحِ رواں ہیں۔ اکیڈمی میں 'مغرب کے بعد بھارت میں مسلمان: حال اور مستقبل' کے عنوان پر خطاب

تھا، چھوٹا سا ہال بھرا ہوا تھا۔ میں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی تعلیمی سرگرمیوں کی تفصیل پیش کی اور بتایا کہ تقسیم کے بعد ہندوستان میں مسلمان نازک حالات سے گزرے، لیکن وہ اپنے دین وایمان پر ثابت قدم رہے، اپنے تشخص کو باقی رکھا، اپنے اداروں کی حفاظت کی اور ان کو غیر معمولی وسعت دی، نئے دینی ادارے قائم کئے، اسکول، کالج، انجینئرنگ، میڈیکل اور ٹکنیکل ادارے کھولے۔ سیاسی پہلو سے بھی وہ ایک طاقت ہیں جسے ہندوستان کی کوئی سیاسی پارٹی نظر انداز نہیں کرسکتی۔ وہ اپنی اجتماعی طاقت سے وہاں کی سیاست پر اثر انداز ہوسکتے ہیں۔ مسلمان ہندوستان میں پندرہ کروڑ ہیں لیکن مختلف ریاستوں میں وہ دو فی صد سے لے کر ۲۳/۲۴ فی صد تک بکھرے ہوئے ہیں (ریاست جموں وکشمیر اس سے مستثنیٰ ہے وہاں وہ اکثریت میں ہیں) اس وجہ سے کہیں بھی وہ محض اپنے بل پر حکومت سازی کے موقف میں نہیں ہیں۔ انہیں غیر مسلم سیاسی پارٹیوں کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑتا ہے۔ آخر میں صدرِ مجلس پروفیسر عبدالغفور صاحب نے اظہارِ خیال کیا اور اس پر زور دیا کہ پاک وہند کے درمیان جو نزاعی مسائل ہیں ان کے مؤثر حل کی کوشش ہونی چاہیے۔ اس کے بعد بعض دوستوں کے ساتھ کھانا ہوا اور رات گئے 'قصر ناز' واپسی ہوئی۔

کراچی میں میرے حقیقی ماموں کا خاندان رہتا ہے۔ ماموں اور ممانی کا انتقال ہو چکا ہے اور اب ان کے بچے ہیں۔ عرصے سے ان سے خط وکتابت نہیں ہے اس لئے ان سے ملاقات کی کوئی صورت نہیں نکل سکی جس کا افسوس ہے۔ کراچی پہنچنے کے فوراً ہی بعد سید راشد احمد صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ میں کچھ وقت گزارا ہے۔ مجھ سے ایک طرح کا قلبی تعلق محسوس کرتے ہیں اور اب اسلامک ریسرچ اکیڈمی میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔ جب تک کراچی میں قیام رہا انہوں نے میرے ساتھ خاصا وقت گزارا۔ اللہ جزائے خیر دے۔

۲۸/مارچ: آج وطن واپسی تھی۔ صبح 8.40 پر فلائٹ تھی۔ چھ بجے کے قریب ائیرپورٹ راشد صاحب کے ساتھ پہنچا۔ جہاز وقت پر روانہ ہوا اور ٹھیک ۱۱/بجے پاکستان کی بہترین یادوں کے ساتھ دہلی واپس ہوا۔ ☆☆☆

# تفسیرِ شاہی

پروفیسر کبیر احمد جائسی

تفسیر شاہی کے مختصر حرف آغاز میں اس تفسیر کے مصنف نے اپنا نام ابوالفتح الحسینی تحریر کیا ہے اور اپنے والد، خانوادہ اور وطن کے بارے میں کوئی اطلاع فراہم نہیں کی ہے۔ ابوالفتح الحسینی کے نزدیک کلام پاک کی آیتوں کو چار نوع کی آیتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک نوع کی آیتیں تو وہ ہیں جن میں پیغمبر ﷺ، ائمہ ''معصومین'' اور تمام ''مومنین''[1] کی مدح وستائش کی گئی ہے۔ دوسری نوع کی آیتیں وہ ہیں جن میں کفار منافقین اور تمام ''......[2]'' کے قبائح بیان ہوئے ہیں۔ تیسری نوع کی آیتیں مسائل اور احکام شرعیہ سے متعلق ہیں اور چوتھی نوع کی آیتوں میں ''قصص و امثال لطیفۂ شریفہ'' ہیں۔ ابوالفتح الحسینی نے اپنے مقدمہ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان سے پہلے بھی لوگوں نے مسائل واحکام شرعیہ سے متعلق آیتوں کو جمع کر کے ان کی مدد سے ''اصول خمسہ'' کو مرتب انداز سے پیش کیا ہے، مگر چوں کہ ان کے پیش رووں کی تصانیف عربی میں ہیں اور عام افراد ان سے استفادہ نہیں کر سکتے اس لیے وہ شاہ تہماسپ کے حکم سے ''آیاتِ احکام'' کی فارسی زبان میں تفسیر لکھ رہے ہیں اور الفاظ و معانی کی تحقیق و تدقیق کر کے ان آیتوں کو اس طرح مرتب کر رہے ہیں کہ ہر شخص ان سے فائدہ اٹھا سکے۔ چوں کہ ابوالفتح الحسینی نے شاہ تہماسپ کے حکم پر یہ تفسیر لکھی ہے اس لیے انھوں نے اس کا نام ''تفسیر شاہی'' رکھا ہے۔

عام اردو خواں قاری اس بات سے ناواقف ہے کہ ''آیات الاحکام'' سے

---

[1] 'مسلمین' اور 'مومنین' کا باریک سا فرق ملحوظ رہے۔

[2] یہاں ایک لفظ شائع ہونے سے رہ گیا ہے۔ ہو سکتا 'ناصبین' ہو 'مومنین' کا برعکس 'ناصبین' ہی ہو سکتا ہے۔

مراد کس نوع کی تفسیر ہے اور اس کو کس انداز سے مرتب کیا جاتا ہے، اس لیے ہم ذیل میں ''تفسیر شاہی'' کے انداز ترتیب کو بیان کر رہے ہیں۔

ابوالفتح الحسینی نے ایک مختصر سے مقدمہ کے بعد ''تفسیر شاہی'' کی ابتدا ''کتاب طہارت'' سے کی ہے۔ آغاز کلام میں ابوالفتح نے لفظ طہارت کے لغوی معنیٰ بیان کیے ہیں۔ بعد ازاں بارہ آیتوں کی تشریح و تعبیر کرتے ہوئے اپنے نقطہ نظر سے طہارت کے جملہ امور و مسائل پر مفصل اور پر معنیٰ بحث کی ہے۔ ابوالفتح الحسینی نے جن بارہ آیتوں سے مدد لی وہ یہ ہیں۔ (۱) مائدہ ۶ (۲) نساء ۴۳ (۳) البینۃ ۵ (۴) واقعہ ۷۷ تا ۷۹ (اصل کتاب میں صرف ۷۹ درج ہے) (۵) توبہ ۱۰۸ (اصل آیت کا نصف آخر حصہ) (۶) فرقان ۴۸ (۷) انفال ۱۱ (۸) بقرہ ۲۲۲ (۹) توبہ ۲۸ (۱۰) مائدہ ۹۰ (۱۱) مدثر ۴۔۵ (۱۲) بقرہ ۱۲۴

کتاب الطہارۃ کے بعد صفحہ ۹۳ سے کتاب الصلوۃ'' کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں بھی پہلے تو صلوٰۃ کے معنیٰ سے بحث کی گئی ہے، بعد ازاں بقول ابوالفتح الحسینی:

''آیاتی کہ متعلق است بہ نماز ہشت نوع است یکی آنکہ متعلق است بہ مطلق نماز و آن چہار آیت است''

[وہ آیتیں جو نماز سے متعلق ہیں آٹھ نوع کی ہیں، ان میں ایک قسم جو مطلق نماز سے متعلق ہے وہ چار آیتیں ہیں]

وہ چار آیتیں یہ ہیں: (۱) نساء ۱۰۳ (۲) بقرہ ۱۳۸ (۳) طٰہٰ ۱۳۲ (۴) مومنون ۱

نوع دویم ''(آیاتیست) کہ دلالت می کند بر وجوب نماز ہای پنج گانہ و تعیین اوقات ایشان و آن پنج آیت است''

[(دوسری نوع کی) وہ آیتیں ہیں جو پانچوں وقت کی نمازوں کے وجوب اور ان کے اوقات کی تعیین پر دلالت کرتی ہیں، ایسی آیتیں پانچ ہیں]

وہ پانچ آیتیں یہ ہیں (۱) بنی اسرائیل ۷۹ (۲) ہود ۱۱۴ (۳) روم ۱۷ (۴) طٰہٰ ۱۳۰ (۵) قٓ ۳۹۔

نوع سوم "آیاتیست کہ متعلق است بہ قبلہ وآن ہفت آیت است"

[وہ آیتیں جو قبلہ سے متعلق ہیں، یہ سات ہیں]

وہ سات آیتیں یہ ہیں: (۱) بقرہ ۱۴۲ (اصل کتاب میں آیت کا نمبر ۱۴۳ درج ہے) (۲) بقرہ ۱۴۳ (مفسر نے اس آیت کے پہلے ٹکڑے کو چھوڑ دیا ہے) (۳) بقرہ ۱۴۴ (۴) بقرہ ۱۴۵ (۵) بقرہ ۱۴۹۔۱۵۰ (۶) بقرہ ۱۱۵ (اصل کتاب میں اس کو ۱۱۶ ویں آیت تحریر کیا گیا ہے) (۷) مائدہ ۹۷

نوع چہارم "آیاتیست کہ متعلق است بہ باقی مقدمات نماز مثل ستر عورت و مکان واذان وآن دوازدہ آیت است"

[وہ آیتیں ہیں جو باقی مقدماتِ نماز، مثلاً سترِ عورت، جگہ اور اذان سے متعلق ہیں اور وہ بارہ ہیں]

وہ بارہ آیتیں یہ ہیں (۱) اعراف ۲۶ (۲) اعراف ۳۱ (اصل کتاب میں سورہ کا نام تو صحیح درج ہے مگر آیت کو ایک سو سولہویں آیت قرار دیا گیا ہے، جو غلط ہے۔ آیتوں کے نمبر مفسر نے نہیں، میرزا ولی اللہ الاشراقی نے ڈالے ہیں) (۳) مائدہ ۳ (مفسر نے پوری آیت نہیں لی ہے، طویل آیت کا صرف ابتدائی ٹکڑا لیا ہے) (۴) نحل ۵ (اصل کتاب میں سورۂ نحل کے ساتھ سورۂ انعام کا نام بھی درج ہے، آیت کا نمبر پانچ ہی ہے۔ اصلاً مذکورہ آیت سورۂ نحل کی ہے، انعام کی نہیں (۵) نحل ۸۰ (۶) نحل ۸۲ (اصل کتاب میں نہ تو آیت صحیح شائع ہوئی ہے اور نہ ہی نمبر، اصلاً مفسر نے آیت ۸۱ سے استشہاد کیا ہے) (۷) بقرہ ۱۱۴ (مفسر نے پوری آیت نقل نہیں کی ہے) (۸) توبہ ۱۸ (مطبوعہ کتاب میں آیت ۱۹ شایع ہوا ہے) (۹) اعراف ۲۹ (آیت کا صرف وسطی ٹکڑا مفسر نے درج کیا ہے (۱۰) یونس ۸۷ (۱۱) توبہ ۱۰۷۔۱۰۸ (۱۲) مائدہ ۵۸

نوع پنجم: "آیاتیست کہ متعلق است بہ مقارنات نماز وآن ہشت آیتست"

[وہ آیتیں جو نماز سے جڑی چیزوں سے متعلق ہیں اور وہ آٹھ ہیں]

وہ آٹھ آیتیں یہ ہیں۔ (۱) بقرہ ۲۳۸ (مفسر نے وَقُوْمُوا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ۔ سے

استشہاد کیا ہے، آیت کا شروع کا حصہ چھوڑ دیا ہے (۲) بنی اسرائیل ۱۱۱ (۳) ''فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ'' مزمل ۲۰ (یہ سورۂ مزمل کی طویل ترین آیت کے چند الفاظ ہیں، مطبوعہ کتاب میں ان الفاظ کو دوسری آیت درج کیا گیا ہے جو صریحاً غلط ہے) (۴) حج ۷۷ (۵) جن ۱۸ (۶) واقعہ ۹۶ (۷) بنی اسرائیل ۱۱۰ (بیچ کے ٹکڑے [وَلَا تَجْهَرْ ......... سَبِيْلاً] سے استشہاد کیا ہے (۸) احزاب ۵۶۔

نوعِ ششم: ''آیاتیست کہ تعلق دارد بہ مستحبات نماز وآن پنج آیت است''

[وہ آیتیں ہیں جو مستحباتِ نماز سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ پانچ ہیں]

وہ پانچ آیتیں یہ ہیں: (۱) بقرہ ۲۳۸ (آیت کا صرف یہ ٹکڑا ''وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ'' نقل کیا گیا ہے۔ اسی ٹکڑے سے نوع پنجم میں بھی مفسر نے استشہاد کیا ہے) (۲) کوثر ۲ (۳) مومنون ۱ (اس آیت سے کتاب الصلوۃ کے نوع اول میں بھی حکم اخذ کیا گیا ہے) (۴) نحل ۹۸ (۵) مزمل ۲ تا ۸

نوعِ ہفتم: ''آیاتیست کہ متعلق است ببعض احکام متعلقہ بہ نماز وآن ہفت آیت است''

[وہ آیتیں ہیں جو نماز کے بعض احکام سے متعلق ہیں اور وہ سات آیتیں ہیں]

وہ سات آیتیں یہ ہیں (۱) نساء ۸۶ (۲) انعام ۱۶۲ تا ۱۶۴ (۳) مائدہ ۵۵ (۴) طٰہٰ ۱۴۔۱۵ (۵) فرقان ۶۲ (۶) توبہ ۵ (۷) بقرہ ۲۱

نوعِ ہشتم: ''آیاتیست کہ متعلق اند بہ نماز ہائ واجب غیر از نماز ہائ پنج گانہ و باحکام لاحقہ بمطلق نماز واین یازدہ آیت است''

[وہ آیتیں ہیں جو پانچوں وقتوں کی نماز کے علاوہ واجب نمازوں سے مربوط احکام سے متعلق ہیں۔ ایسی آیتیں گیارہ ہیں]

وہ گیارہ آیتیں یہ ہیں (۱) جمعہ ۹ (صرف اس ایک آیت کی تفسیر صفحہ ۲۱۷ سے ۲۳۲ تک سولہ صفحات پر محیط ہے) (۲) جمعہ ۱۰ (۳) جمعہ ۱۱ (۴) کوثر ۲ (اس آیت سے نوع ششم میں بھی استدلال کیا گیا ہے) (۵) توبہ ۸۴ (۶) نساء ۱۰۱ (۷) نساء ۱۰۲ (مطبوعہ

کتاب میں اس کو ایک سو اکیسویں آیت قرار دیا گیا ہے) (۸) نساء ۱۰۳ (اس آیت کو بھی ایک سو اکیس آیت لکھا گیا ہے) (۹) بقرہ ۴۳ (۱۰) اعراف ۲۰۴ (۱۱) سجدہ ۱۵

اس ''نوع'' پر کتاب الصلوٰۃ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کتاب الصوم کا آغاز ہوتا ہے۔ کتاب الصوم میں ابوالفتح الحسینی نے جو کچھ تحریر کیا ہے، وہ سورۂ بقرہ کی پانچ آیتوں: ۱۸۳ تا ۱۸۷ کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا ہے۔ مطبوعہ کتاب میں کلام اللہ کو نقل کرنے میں سنگین غلطی ہوگئی ہے۔ آیت کے آخری دو الفاظ ''لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ'' ہیں جن کو ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ'' شائع کر دیا گیا ہے جو سورہ بقرہ کی ۱۸۳ ویں آیت کے آخری الفاظ ہیں۔ کتاب الصوم کی ابتدا میں کتاب الصلوٰۃ ہی کی طرح ابوالفتح الحسینی نے صوم کے لغوی معنیٰ سے بحث کی ہے، بعد ازاں ایک حدیثِ قدسی نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''کل عمل ابن آدم له الا الصوم فانه لی و انا اجزی به'' بعد ازاں انھوں نے اس کا سبب تحریر کیا ہے کہ انھوں نے ''کتاب الزکوٰۃ سے پہلے'' کتاب الصوم کیوں لکھی؟ ان کا کہنا یہ ہے:

''در کثیری از آیات قرآنی بعد از ذکر صلوٰۃ، صوم مذکور شدہ''

[بہت سی قرآنی آیتوں میں نماز کے ذکر کے بعد روزہ کا ذکر ہوا ہے]

نہ جانے کیوں ابوالفتح الحسینی نے ''بہت سی'' آیتوں کے ہوتے ہوئے صرف پانچ آیتوں سے ہی استشہاد کیا ہے۔

کتاب الصوم کے بعد کتاب الزکوٰۃ ہے جو صفحہ ۲۷۷ سے شروع ہو کر ۳۱۵ پر ختم ہوتی ہے۔ اس ''کتاب'' میں بھی پہلے لفظ زکوٰۃ کے لغوی، بعد ازاں شرعی معنیٰ بتائے گئے ہیں۔ ان کے نزدیک اس لفظ کے لغوی معنیٰ ''پاک شدن است'' (پاک ہونا ہے) اور شرع میں اس کے معنیٰ وہ مقررہ صدقہ ہے جو اصلِ شرع سے ثابت ہے۔ اور ''زکوٰۃِ شرعی پاک شدن مال است از حرام'' (شرعی زکوٰۃ مال کا حرام سے پاک ہونا ہے) ابوالفتح الحسینی نے اس کتاب میں تین ''مبحث'' تحریر کیے ہیں:

مبحث اول: ''در وجوب زکوٰۃ و محل آن و در او چہار آیت است''

[زکوٰۃ کے فرض ہونے اور محلِ زکوٰۃ (کے بارے میں) اور اس میں چار آیتیں ہیں]

وہ چار آیتیں یہ ہیں (۱) بقرہ ۱۷۷ (۲) حم سجدہ ۷ (قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ سے وَاسْتَغْفِرُوْهُ تک وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ کے الفاظ چھوڑ دیے گئے ہیں۔ اصلاً یہ چھٹی آیت ہے، ساتویں نہیں) (۳) توبہ ۳۴ (يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنَّ كَثِيْراً سے سَبِيْلِ اللّٰه تک کا آیت کا ابتدائی حصہ چھوڑ دیا گیا ہے (۴) ذاریات ۱۹

مبحث دوم: ''در گرفتن زکوٰۃ ورسانیدن آن بہ مستحق ودر آن شش آیت است''

[زکوٰۃ کو وصول کرنے اور اس کو مستحقوں تک پہونچانے کے بارے میں اور اس میں چھ آیتیں ہیں]

وہ چھ آیتیں یہ ہیں (۱) توبہ ۱۰۳ (۲) توبہ ۱۰۴ (۳) بقرہ ۲۶۷ (۴) روم ۳۹ (۵) توبہ ۶۰ (۶) بقرہ ۲۷۱

مبحث سوم: ''در احکام متعلق باخراج زکوٰۃ ودر آن شش آیت است''

[زکوٰۃ کو خرچ کرنے کے احکام کے متعلق اور اس میں چھ آیتیں ہیں]

وہ آیتیں یہ ہیں (۱) بقرہ ۲۷۲ (اصل کتاب میں اس آیت کو ۱۷۶ ویں آیت کہا گیا ہے جو گمراہ کن ہے۔ علاوہ برایں مفسر نے پوری آیت سے استشہاد نہیں کیا ہے، بلکہ آیت کا صرف آخری ٹکڑا، جو 'وَمَا تُنْفِقُوْا سے شروع ہوتا ہے، تحریر کیا ہے) (۲) بقرہ ۲۷۳ (۳) بقرہ ۲۱۵ (۴) بقرہ ۲۱۹ (مفسر نے آیت کے بیچ کے ٹکڑے ''يَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ'' سے استشہاد کیا ہے) (۵) بقرہ ۲۶۴ (۶) اعلیٰ ۱۴۔۱۵

کتاب الزکوٰۃ کے بعد ابوالفتح الحسینی نے ''کتاب الخمس'' کے عنوان سے چودہ صفحات (۳۱۵۔۳۲۸) کا ایک باب تحریر کیا ہے۔ لفظ خمس کی تشریح کرتے ہوئے انھوں نے صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے:

''بدان کہ خمس در شرع عبارتست از حقی واجب شود در مال از برای بنی ہاشم و مراد را شرایط و احکام است کہ تفصیل آن در کتب اصحاب مسطور است ودریں کتاب

سہ آیتست''

[جان لو، شرع میں خمس اس حق سے عبارت ہے جو مال میں سے بنی ہاشم کے لیے (نکالنا) واجب ہے۔ اس کے لیے کچھ شرطیں اور احکام ہیں جن کی تفصیل اصحاب کی کتابوں میں تحریر ہے۔ اس کتاب میں تین آیتیں ہیں]

وہ تین آیتیں یہ ہیں: (۱) انفال ۴۱ (۲) بنی اسرائیل ۲۶ (ابوالفتح الحسینی نے اس آیت کے آخری دو الفاظ ''وَلا تُبَــذِّرْ تَبــذِيــراً'' سے استشہاد نہیں کیا ہے) (۳) انفال ا۔

کتاب الخمس کے بعد کتاب الحج کا عنوان سامنے آتا ہے اور اسی عنوان پر ''آیات الاحکام'' یا تفسیر شاہی کی پہلی جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں انھوں نے حج کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے وہ تھوڑا سا طویل ہے، مگر ان کی بات کو سمجھنے کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مکمل طور سے نقل کر دیا جائے، تا کہ ابوالفتح الحسینی کی مکمل بات ہمارے پیشِ نظر رہے، وہ لکھتے ہیں:

''بداں کہ حج در لغت قصد است و در شرع قصدِ طوافِ بیت اللہ است با عبادات مخصوصہ در آن حدود۔

وبعضی گفتہ اند مجموع عبادات مخصوصہ است، در مشاعر مخصوصہ است و بر ہر تقدیر ظاہر آن است کہ لفظ حج منقول شرعی است از قصد مطلق بہ قصد خاص یا بمقاصد مخصوصہ بہ مخصصِ شرعی۔ بنا بر تعریف اول و منقول شرعی بنا بر تعریف ثانی چنانکہ بعضی گمان بردہ اند زیرا کہ متبادر از حج در عرف شرع معنیٔ خاص است بخصوصہ بی آنکہ معنیٔ عام بخاطر خطور کند و این تبادر اقوی امارات حقیقت شرعیہ است، چنانکہ مختار محققان علماء اصول است اگر چہ تخصیص بہتر است از نقل نزدِ ایشان۔

ومخفی نیست کہ حج از جملہ ارکان اسلام است و افضل آنہا از آن حیث کہ مشتمل است بر عباداتِ بدنیہ و مالیہ و تجرد از شہواتِ جسمانیہ و توجہ بسوی خدای تعالیٰ و وجوب او از ضروریات دین است و مباحث او سہ نوع است:

نوع اول در وجوب اوست و در او دو آیت است :

[ جان لو کہ حج ، لغت میں ارادہ کو کہتے ہیں اور شرع میں مخصوص عبادتوں کے ساتھ خانۂ کعبہ کے طواف کو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ (حج) مخصوص عبادتوں کی جگہوں میں مخصوص عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ بہ ہر حال یہ ظاہر ہے کہ لفظ حج پہلی تعریف کے مطابق مطلق سے قصد خاص تک یا مخصوص مقاصد کے لیے شرعی تخصیص کے ساتھ (عمل پیرا ہونے کی) شرعی اصطلاح ہے اور دوسری تعریف کے مطابق منقول شرعی ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، کیوں کہ (لفظ) حج سے، بجائے اس کے کہ عام معنیٰ دل میں پیدا ہوں ، عرف شرع میں یہ خاص معنیٰ نکلتے ہیں اور اس معنیٰ کا پیدا ہونا شرعی حقیقت کی قوی ترین علامتوں کو تقویت دینے والا ہے، جیسا کہ علمائے اصول کے محققین نے اختیار کیا ہے، اگر چہ ان کے نزدیک ''نقل'' سے ''تخصیص'' بہتر ہے۔

اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ حج جملہ ارکانِ اسلام میں سے ہے اور اُن (ارکان) میں اس حیثیت سے سب سے افضل ہے کہ بدنی اور مالی عبادتوں پر مشتمل ہے اور جسمانی شہوتوں سے علیحدگی (ہے) اور خدای تعالیٰ کی طرف توجہ۔ اور اس کا وجوب دین کی ضروریات میں سے ہے اور اس کے مباحث تین نوع کے ہیں :

پہلی ''نوع'' اس کے وجوب میں ہے اور اس سلسلے میں دو آیتیں ہیں ]

وہ دو آیتیں سورۂ آل عمران کی ہیں۔ مفسر نے آیت ۹۶ اور ۹۷ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی بات کی وضاحت کی کوشش کی ہے۔

''نوع دوم در افعال حج است و اقسام او در بعض احکام او در دہ آیت است''

[ ''دوسری نوع'' حج کے افعال اور اس کی قسموں (کے بارے) میں ہے، اور اس کے بعض احکام دس آیتوں میں ہیں ]

نوع دوم میں جن دس آیتوں کا حوالہ ہے وہ یہ ہیں : (۱) بقرہ ۱۹۶ (۲) بقرہ ۱۹۷ (۳) بقرہ ۱۹۸ (اصل کتاب میں آیت کا نمبر ۲۷۹ ہے، جو صریحاً غلط ہے ) (۴) بقرہ ۱۹۹ (۵) بقرہ ۲۰۰۔۲۰۲ (۶) بقرہ ۱۲۵ (مطبوعہ کتاب میں آیت کا نمبر ۱۷۶

شائع ہوا ہے) (۷) بقرہ ۱۵۸ (مطبوعہ کتاب میں ۱۵۹ درج ہے) (۸) حج ۳۶ (۹) فتح ۲۸ (۱۰) بقرہ ۲۰۳۔

''نوع سیم در بعض احکام حج است وتوابع آن و در او سیزدہ آیت است''

[تیسری قسم میں بعض احکام اور ان کے توابع ہیں اور اس سلسلے میں تیرہ آیتیں ہیں]

اس نوع میں جن آیتوں کی تفسیر کی گئی ہے وہ یہ ہیں (۱) مائدہ ۹۴ (۲) مائدہ ۹۵ (۳) مائدہ ۹۶ (۴) مائدہ ۹۷ (۵) مائدہ ۲ (وتعاونوا سے آخر آیت تک کے الفاظ کو چھوڑ دیا گیا ہے) (۶) حج ۳۰ (۷) حج ۲۵ (۸) ۱۲۶ (۹) بقرہ ۱۲۷ (۱۰) بقرہ ۱۲۸

یہاں اس بات کی نشان دہی ضروری ہے کہ نوع سیم کے تحت مطبوعہ کتاب میں تیرہ آیتوں کی جگہ صرف دس آیتوں کی تفسیر ملتی ہے۔ ہمارے لیے یہ کہنا دشوار ہے کہ کن تین آیتوں کی تفسیر شائع نہیں ہوسکی ہے۔ بہ ہر حال اسی نوع سیم پر پہلی جلد کا اختتام ہوتا ہے۔ اس جلد کا آخری فارسی جملہ یہ ہے:

''مخفی نماند کہ تعلق آیات اخیر کہ مذکور شد بہ احکام حج ظاہر نیست وتعلق آنہا بہ حج بہ اعتبار اشتمال آنہاست بر ذکر بعض احوال حج ومواضع آن''

[اور یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ اخیر کی جن آیتوں کا ذکر ہوا ہے ان کا تعلق حج کے احکام سے ظاہر نہیں ہے۔ ان کا حج سے تعلق ان کے حج کے بعض احوال اور مقامات کے ذکر پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے ہے۔

اس کے بعد یہ عربی عبارت ہے:

**''قدتم بعون الله الجزء الاول من التفسير الشاهی ويتلوه الجزء الثانی من كتاب الجهاد''**

[اللہ کی مدد سے تفسیر شاہی کا پہلا جز مکمل ہوا۔ آگے کے جزو دوم کا آغاز کتاب الجہاد سے ہوگا)

کسی بھی قرینے سے یہ بات واضح نہ ہوسکی کہ جزو اول وثانی کی تقسیم مفسر نے

کی تھی، یا مرتب نے کی ہے۔ اس تفسیر کا جزو ثانی اسی طول و عرض کے ۷۵۹ صفحات کے متن پر مشتمل ہے، جو جزو اول کے صفحات کا طول و عرض ہے۔ مزید برآں اس جزو میں بھی حاشیہ نگاری کا وہی انداز باقی رکھا گیا ہے جس کا ذکر جزو اول کا مطالعہ کرتے وقت کیا جا چکا ہے۔ غلط نامہ توضیح الآیات، مصادر تصنیف اور امہاتِ مطالب تقریباً پینتیس صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، اس طرح اس جلد کو آٹھ سو صفحات کی جلد قرار دیا جا سکتا ہے۔ جزو ثانی کو ابوالفتح الحسینی نے جن ''کتابوں'' میں تقسیم کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ کتاب الجہاد (ص ۱ تا ۱۰۰) ۲۔ کتاب امر بہ معروف و نہی از منکر (ص ۱۰۱ تا ۱۰۶) ۳۔ کتاب المکاسب (ص ۱۰۷ تا ۱۳۱) ۴۔ کتاب البیع (ص ۱۳۲۔۱۵۰) ۵۔ کتاب الدین وتوابعہ (ص ۱۵۱۔ ۱۷۱) ۶۔ کتاب فیہ جملۃ من العقود (۱۷۲۔ ۱۹۵) ۷۔ کتاب الوصیۃ (۱۹۵۔ ۲۳۷) ۸۔ کتاب النذر والعہد والیمین (۲۳۸۔ ۲۶۰) ۹۔ کتاب العتق (۲۶۱۔ ۲۶۶) ۱۰۔ کتاب النکاح (ص ۲۶۷۔۴۱۲) ۱۱۔ کتاب الفراق (ص ۴۱۳۔ ۴۷۵) ۱۲۔ خلع ومبارات (ص ۴۷۶۔ ۴۹۱) ۱۳۔ کتاب الظہار (۴۹۲۔ ۵۰۴) ۱۴۔ کتاب الایلاء (ص ۵۰۵۔ ۵۱۰) ۱۵۔ کتاب اللعان (۵۱۱۔ ۵۱۸) ۱۶۔ کتاب المطاعم والمشارب (ص ۵۱۹۔۵۲۲) ۱۷۔ در محرمات (۵۲۳۔ ۵۳۲) ۱۸۔ در مباحات (ص ۵۳۳۔ ۵۶۴) ۱۹۔ کتاب المیراث (ص ۵۶۵۔۶۵۰) ۲۰۔ کتاب الحدود (ص ۶۵۲۔۶۶۵) ۲۱۔ حد القذف (ص ۶۶۶۔۶۷۲) ۲۲۔ حد السرقہ (۶۷۳۔۶۷۵) ۲۳۔ حد المحاربہ (۶۷۶۔۶۸۰) ۲۴۔ کتاب الجنایات (۶۸۱۔۷۰۷) ۲۵۔ کتاب القضاء والشہادات (ص ۷۰۸۔۷۵۵)

تفسیر شاہی کا جزو ثانی ان پچیس ''کتابوں'' پر مشتمل ہے جن کا مختصر ترین خاکہ درج ذیل ہیں:

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے جزو ثانی کی ابتدا کتاب الجہاد سے ہوتی ہے۔ قرآنی آیات سے استشہاد سے پہلے ابوالفتح الحسینی نے جہاد کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان ہی کے الفاظ میں نقل کیا جا رہا ہے:

''بدان کہ جہاد در لغت مصدر است بمعنی مجاہدہ یعنی کارزار کردن در راہ خدای تعالیٰ ، جہد بفتح جیم یا ضم او بہ معنی طاقت و در شرع بذل نفس و مال است جہت تقویت باحکام اسلام وتمشیت ارکان ایمان و او از اعظم احکام اسلام است چنانکہ مروی است از رسول خداﷺ کہ گفت (فوق کل برّ برٌّ حتی یقتل الرجل فی سبیل الله فلیس فوقه ) یعنی بالای ہر نیکوکاری ، نیکوکاریست کہ تا آنکہ کشتہ شود مرد در راہ خدای تعالیٰ پس نیست بالای کشتہ شدن او در راخدای تعالیٰ بہ ہیچ نیکوکاری۔

ومرویست از امیر المومنین کہ گفت (الجهادباب من أبواب الجنة فتحه الله لأوليائه ) یعنی جہاد دریست از درہای بہشت کہ گشادہ است اورا خدای تعالیٰ جہت دوستان خود۔ ودراین کتاب سہ مبحث است :

(مبحث ) اول در وجوب جہاد است ودرودہ آیت است''

[جان لو کہ (لفظ ) جہاد لغت میں مصدر ہے، بمعنی کوشش کرنا۔ یعنی راہِ خدا میں جنگ کرنا۔ جہد جیم پر زبر یا پیش کے ساتھ (کے معنی ہیں) طاقت اور شرع میں (جہد کے معنی ہیں ) نفس اور مال کے ذریعے اسلام کے احکام اور ایمان کے ارکان کو طاقت کے ذریعے تقویت دینے کی کوشش کرنا اور جہاد، اسلام کے اعلیٰ احکام میں سے (ایک ) ہے۔ چناں چہ روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: تمام اچھے اعمال میں سب سے اعلیٰ عمل انسان کا اللہ کی راہ میں (جنگ کرتے ہوئے ) مارا جانا ہے، لہٰذا انسان کا اللہ کی راہ میں مارے جانے سے بہتر کوئی اور عمل نہیں ہے۔

اور امیر المومنین (حضرت علیؓ) سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے لیے کھول رکھا ہے۔ اس ''کتاب'' میں تین مبحث ہیں۔

پہلا جہاد کے وجوب کے بارے میں ہے اور اس میں دس آیتیں ہیں ]

وہ دس آیتیں یہ ہیں (۱) بقرہ ۲۱۶ (۲) حج ۷۸ (۳) بقرہ ۱۹۰ (۴) بقرہ ۱۹۴ (۵) نساء ۷۵ (۶) نساء ۷۱ (۷) نساء ۷۴ (۸) توبہ ۱۲۰۔۱۲۱ (۹) نساء ۹۵ (۱۰) توبہ ۹۱

مبحث دوم، در کیفیت قتال است ووقت او وبعض احکام او۔ در و پانزدہ آیت است‘‘

[دوسرا مبحث قتال کی کیفیت، اس کے وقت اور بعض احکام کے بارے میں (ہے) اوراس میں پندرہ آیتیں ہیں]

وہ پندرہ آیتیں یہ ہیں :(۱) بقرہ ۲۱۶ (۲) بقرہ ۱۹۱ (۳) توبہ ۱۲۳ (۴) انفال ۱۵ (۵) انفال ۶۵ (۶) تحریم ۹ (۷) توبہ ۲۹ (۸) محمد ۴ (۹) انفال ۶۷ (۱۰) انفال ۵۷ (۱۱) نساء ۹۴ (۱۲) انفال ۷ (۱۳) انفال ۶۱ (۱۴) ممتحنہ ۱۱ (۱۵) ممتحنہ ۱۲

’’مبحث سوم، در سائر اقسام جہاد است و در و ہفت آیت است‘‘

[تیسرا مبحث، جہاد کی تمام قسموں کے بارے میں ہے اور اس میں سات آیتیں ہیں‘‘]

وہ سات آیتیں یہ ہیں (۱) حجرات ۹ (۲) انفال ۶۰ (۳) مائدہ ۵۴ (۴) مائدہ ۳۵ (۵) نحل ۱۲۵ (۶) نحل ۱۰۶ (۷) انفال ۳۸

اس کے بعد ابوالفتح الحسینی نے ’’کتاب امر بہ معروف ونہی از منکر‘‘ کے عنوان سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس ’’کتاب‘‘ کی خاص بات یہ ہے کہ ابوالفتح الحسینی نے امر کو ’’طلب فعل‘‘ اور ’’نہی کو‘ طلبِ عدمِ فعل‘‘ سے عبارت قرار دیتے ہوئے اس سلسلے میں خاصی مفصل بحث کی ہے اوراس میں ’’فوایدِ عظیمہ‘‘ اور ’’مثوبات کثیرہ‘‘ ہونے کی نشان دہی بھی کی ہے۔ ابوالفتح الحسینی نے اس ’’کتاب‘‘ میں سورۂ آل عمران کی ایک سودسویں، ایک سو چارویں اور سورۂ حج کی اکتالیسویں آیتوں سے استشہاد کیا ہے۔

اس ’’کتاب‘‘ کے بعد ’’کتاب المکاسب‘‘ کے عنوان سے چھبیس صفحات کی ایک بحث ملتی ہے۔ ابتدا میں ابوالفتح الحسینی نے مکاسب کے لغوی معنیٰ بیان کیے ہیں اور اپنی بات کی وضاحت کے لیے حدیثوں کے حوالے بھی دیے ہیں اور یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے واسطے اللہ تعالیٰ نے لوہے کو نرم کر دیا تھا کہ اس سے اپنی روزی حاصل کر سکیں، چناں چہ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے سے زرہیں بناتے اور

ان کو فروخت کرتے۔ یہی ''کسب'' اُن کا ذریعہ معاش تھا۔ اس ''کتاب'' میں دو مبحث ہیں پہلا ''صحتِ اکتساب'' کے بیان میں ہے اور اس میں چھ آیتوں، یعنی حجر ۲۰، اعراف ۱۰، بقرہ ۱۶۸، طٰہٰ ۸۱، ق ۹۔۱۱، اور تبارک الذی ۱۵ سے استشہاد کیا گیا ہے۔ دوسرا مبحث ''بعض اکتساب کے عدمِ صحت کے بیان میں'' ہے اس میں بھی چھ آیتوں، یعنی یوسف ۵۵، مائدہ ۴۲، نور ۳۳، مائدہ ۹۰، مائدہ ۹۱ اور نور ۶۰ سے استشہاد کیا گیا ہے۔

اسلامی فقہ میں ''بیع'' ایک اہم اور ناگزیر عنوان ہے۔ چناں چہ ابوالفتح الحسینی نے ''کتاب المکاسب'' کے بعد ''کتاب البیع'' ترتیب دی ہے۔ اس ''کتاب'' کی ابتدا میں انھوں نے تحریر کیا ہے:

''این کتاب در احکام بیع است و بیع از اسماء اضداد است زیرا کہ مشترک است بیان فروختن و خریدن و ظاہر آن است کہ این جا مراد مایطلق علیه هذا الفظ است تا شامل شود ہر دو معنی را (مع هذا اخص) است از کسب و تکسب۔ درین کتاب دہ آیت است''

[یہ کتاب بیع کے احکام کے بارے میں ہے اور بیع اسماء اضداد میں سے ایک اسم ہے، اس لیے کہ یہ (لفظ) خریدنے اور بیچنے (دونوں) کے لیے مشترک ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ اس سے مراد وہ عام مفہوم ہے جس پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے، تا کہ وہ ہر دو معنی کا احاطہ کرے اور یہ لفظ کسب اور تکسب کے مقابلے میں زیادہ خاص ہے۔ اس کتاب میں دس آیتیں ہیں]

وہ دس آیتیں یہ ہیں (۱) نساء ۲۹ (۲) بقرہ ۲۷۵ (۳) بقرہ ۲۷۸۔ ۲۷۹ (۴) آل عمران ۱۳۰ (۵) المطففین ۱۔۳ (۶) بقرہ ۲۶۷ (۷) اعراف ۱۹۹ (۸) ص ۲۳ (۹) یوسف ۸۸ (۱۰) نساء ۱۴۱

کتاب البیع کے بعد کتاب الدّین و توابعہ کے عنوان سے بائیس صفحات کا باب سامنے آتا ہے، جس کے آغاز میں ابوالفتح الحسینی نے اس ''کتاب'' کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

''کتاب الدین وتوابعہ، این کتاب در احکام دَین است وتوابع او ودین در لغت قرض گرفتن است ودر شرع عبارت است از معاملہ ای کہ یکی از عوضین در او مؤجل باشد وتوابع دین چند عقد است کہ مشتمل باشند بر او چنانکہ مذکور خواہد شد ودر این کتاب یازدہ آیت است''

[یہ کتاب دَین (قرض) اور اس کے متعلقات کے بارے میں ہے لغت میں دین کے معنی قرض لینے کے ہیں جس میں دو (افراد) میں سے ایک کو بعد میں ادائیگی کرنی ہوتی ہے اور توابع دین چند معاملات ہیں جو قرض پر مشتمل ہوتے ہیں جن کا بیان بعد میں ہوگا۔ اس کتاب میں گیارہ آیتیں ہیں]

وہ گیارہ آیتیں یہ ہیں (۱) بقرہ ۲۸۲ (۲) بقرہ ۲۸۰ (۳) بقرہ ۲۴۵ (۴) بقرہ ۲۸۳ (۵) یوسف ۷۲ (۶) نساء ۱۱۴ (۷) کہف ۱۹ (۸) پیشِ نظر اشاعت میں صرف یہی سات آیتیں ہیں۔ معلوم نہیں یہ طباعت کی غلطی ہے یا اصل مسودوں سے آیتوں کے متن اور ان کی تفسیریں محو ہو چکی ہیں۔

اس کے بعد تیئیس صفحہ کی ایک ''کتاب'' سامنے آتی ہے جس کا عنوان مصنف نے ''کتاب فیہ جملۃ من عدۃ من العقود وغیرھا'' رکھا ہے۔ اس کتاب کا تعارف مصنف نے درج ذیل دو جملوں میں کر دیا ہے

این کتاب در بیان بعضی عقود واحکام شرعیہ است مثل مضاربہ وشرکت وغیر آن۔ ودر این کتاب دوازدہ آیت است''

[یہ کتاب بعض معاملات اور شرعی احکام، مثلاً مضاربت اور شرکت وغیرہ کے بیان میں ہے اور اس میں بارہ آیتیں ہیں]

جن بارہ آیتوں سے مصنف نے استشہاد کیا ہے وہ یہ ہیں (۱) مائدہ ۱ (۲) قصص ۲۶ (۳) انفال ۶۹ (۴) جمعہ ۹ (۵) یوسف ۶۲ (۶) نساء ۵۸ (۷) مائدہ ۲ (۸) یوسف ۱۷ (۹) بقرہ ۱۸۵ (۱۰) مائدہ ۲ (۱۱) بقرہ ۱۹۴ (۱۲) الملک ۱۰

مضاربت وشرکت وغیرہ کے مسائل سے بحث کرنے کے بعد مصنف

نے ''کتاب الوصیۃ'' کا باب قایم کیا ہے جو مطبوعہ کتاب کے تینتالیس صفحات پر محیط ہے۔ اس ''کتاب'' کا تعارف مصنف نے ان الفاظ میں کرایا ہے:

''این کتاب در بیان وصیت است وآنچہ ملحق است باو، ووصیت در اصل لغت اسمیت بہ معنی وصل از وصایصی بہ معنی وصل یصل ودر شرع عبارت است از مالک گردانیدن کسی عینی را یا منفعتی را بعد از موت خود ووجہ تسمیہ آنست کہ وصیت شرعی مستلزم متصل گردانیدن تصرف بعد از موت است بتصرف قبل از موت ودرین کتاب دہ آیت است''

[ یہ کتاب وصیت اور اس کے ملحقات کے بارے میں ہے۔ اصلاً لغت میں (لفظ) وصیت اسم ہے جس کا مادہ وصا یصی ہے اور جس کے معنی صلہ رحمی کرنے کے ہیں اور شرع میں اپنی موت کے بعد کسی متعین چیز یا اس کی منفعت کا مالک بنانا ہے۔ اس (فعل) کو یہ نام (یعنی وصیت) دینے کی وجہ یہ ہے کہ شرعی وصیت کے لیے لازمی ہے کہ موت سے پہلے کے تصرف کو موت کے بعد تصرف سے ملا دیا جائے۔ اس کتاب میں دس آیتیں ہیں ]

وہ دس آیتیں یہ ہیں (۱) بقرہ ۱۸۰ (۲) نساء ۱۲ (۳) بقرہ ۲۶۰ (۴) مائدہ ۱۰۶ (۵) نساء ۶ (۶) نساء ۲ (۷) نساء ۹ (۸) نساء ۵ (۹) نحل ۷۵ (۱۰) مزمل ۲۰

اس کے بعد ''کتاب النذر والعہد والیمین'' ہے جو تیئیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس ''کتاب'' کا تعارف مصنف نے ان الفاظ میں کرایا ہے:

''این کتاب در احکام نذر وعہد یمین است ونذر در لغت واجب گردانیدن چیز یست برخود ودر شرع واجب گردانیدن چیز یست برخود بہ صیغۂ معینہ مثل لِلّٰہِ عليّ أن أفعل كذا وشروط معینہ مثل آنکہ متعلق او اطاعت باشد ونذر گاہی بی شرط واقع شد وآنرا نذر تبرع گویند وگاہی باشرط باشد۔

پس اگر شرط فعل واجب یا مندوب یا مباح باشد آنرا نذر فعل گویند واگر ترک حرام یا مکروہ باشد نذر زجر خوانند ودر غیر این صحیح نیست۔

وانعقادقسمین آخرین متفق علیہ است وانعقادِ قسم اول مختلف فیہ لیکن اصح انعقاد اوست چنانکہ معلوم شود

وعہد در لغت پیان بستن است ودر شرع عہد بستن است بہ صیغہ معین مثل عاهدت الله أن افعل كذا وشروط معینہ مثل آن کہ متعلق او واجب باشد یا مندوب یا مباح۔

وبراین قیاس است یمین ودرعرف بہ معنی سوگند است از یمین بہ معنی دستِ راست زیرا کہ دأب عرب چنان بودہ کہ در وقت سوگند خوردن دستِ راست خوردن (؟۔خود) بر دستِ راست یار خود می زدہ اند وسوگند می خوردہ اند ودر این کتاب ہشت آیت است''

[یہ کتاب نذر، عہد اور یمین (قَسم) کے احکام کے بارے میں ہے ۔لغت میں نذر کسی چیز کو اپنے اوپر لازم کر لینے کے معنی میں ہے اور شرع میں کسی چیز کو مقررہ الفاظ اور معینہ شرطوں کے ساتھ اپنے اوپر لازم کر لینے کو کہتے ہیں ۔مثلاً یہ کہے ''اللہ کے لیے میں فلاں فلاں کام کروں'' اور معینہ شرط یہ ہے کہ اس کا تعلق اطاعت (الٰہی) سے ہو ۔نذر کبھی (کبھی) بے شرط کے واقع ہوتی ہے اور اس کو نذر تبرّع کہتے ہیں اور کبھی (کسی) شرط کے ساتھ واقع ہوتی ہے۔

پس اگر شرط (کوئی) واجب، مستحب یا مباح فعل ہو تو اس کو نذر فعل کہیں گے اور اگر حرام یا مکروہ کو ترک کرنے سے متعلق ہو تو اس کو نذر زجر کہتے ہیں اور حرام ومکروہ کے علاوہ کسی اور چیز کی ''نذر زجر'' درست نہیں ہے۔

اور آخر الذکر قسموں کا انعقاد متفق علیہ ہے اور پہلی قسم کا انعقاد مختلف فیہ، لیکن جیسا کہ معلوم ہے، صحیح تر یہ ہے کہ اس کا انعقاد ہوتا ہے۔

لغت میں عہد کے معنی پیان کرنا ہے اور شرع میں متعین صیغہ اور مقررہ شرطوں کے ساتھ پیان کرنا ۔مثلاً یہ کہے کہ'' میں نے اللہ سے عہد کیا کہ میں یہ کام کروں گا'' اور شرائط متعینہ یہ ہیں کہ عہد کا تعلق واجب یا مستحب یا مباح سے ہو۔

اور یمین بھی اسی طرح ہے جو عرف عام میں قسم کے معنی میں آتا ہے۔ یہ ماخوذ ہے یمین بہ معنی سیدھے ہاتھ سے۔ چوں کہ عربوں کی عادت تھی کہ قسم کھاتے وقت اپنا داہنا ہاتھ اپنے دوست کے داہنے ہاتھ پر مارتے اور قسم کھاتے تھے۔ اس کتاب میں آٹھ آیتیں ہیں]

وہ آیتیں یہ ہیں (۱) بقرہ ۲۷ (۲) دہر ۷ (۳) بنی اسرائیل ۲۴ (۴) انعام ۵۲ (۵) نحل ۹۱ (۶) بقرہ ۲۳ (۷) بقرہ ۲۲۴ (۸) مائدہ ۸۹

اس کے بعد چھ صفحات کی ایک ''کتاب'' کتاب العتق کے عنوان سے مصنف نے تحریر کی ہے۔ اس کی ابتدا مصنف نے ان الفاظ میں کی ہے:

''این کتاب در بیان عتق است واو در عرف بہ معنی آزاد شدن است وسبب آزادی چند چیز است

(یکی) مباشرتِ سبب، وآن اعتاق است بصیغۂ شرعیہ، مثل أنت حرّ لوجه الله ومدبر گردانیدن وام ولد گردانیدن ومکاتب گردانیدن۔

(دوم) سرایت عتق از بعض بندہ بہ بعض دیگر او۔

(سوم) مِلک یعنی مالک شدن مرد یا زن پدر یا مادر یا جد یا جدۃ بی واسطہ یا بواسطہ را یا فرزند بیواسطہ یا بواسطہ را و مالک شدن مرد یکی از زنانی را کہ حرام مؤبد ند برونسباً یا رضاعاً۔

(چہارم) عوارض مثل کور شدنِ بندہ ومجذوم شدن او وزمین گیر شدن او ومسلمان شدن بندۂ حربی در دار الحرب پیش از خواجہ۔

واز اسباب مذکور چیزی مذکور نیست در قرآن غیر از اعتاق صریح وکتابت ودر یشان دو آیت است''

[یہ کتاب عتق کے بیان میں ہے۔ عرف عام میں (عتق کے) معنیٰ آزاد ہونے کے ہیں اور آزادی کے اسباب چند امور ہیں:

(اول) مباشرتِ سبب، یعنی آزادی کے اسباب میں سے کسی ایک کا براہ راست اختیار کرنا اور شرعی صیغہ سے آزادی دینا ہے مثلاً (یہ کہا جائے) اللہ کی خوشنودی

کے لیے تم آزاد ہو (یعنی میں نے تم کو آزاد کیا)، یا اس کو مدبر بنایا جائے (یعنی یہ کہا جائے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو) یا کنیز کو ام ولد قرار دیا جائے (یعنی اس سے اولاد ہو جائے) یا غلام کو مکاتب بنایا جائے (یعنی اس کی آزادی کے لیے کوئی رقم مقرر کردی جائے)

(دوم) کسی غلام کے جسم کے کسی حصے سے اس کے جسم کے دوسرے حصے کی جانب آزادی کا سرایت کر جانا۔

(سوم) ملک، یعنی مرد یا عورت، باپ یا ماں، دادا یا دادی کا بے واسطہ یا بواسطہ مالک ہونا، یا لڑکے کا بے واسطہ یا بواسطہ مالک ہونا، اور کسی مرد کا کسی ایسی عورت کا مالک ہونا جو نسب یا دودھ پلانے کے سبب اس کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہو۔

(چہارم) امراض مثلاً غلام کا اندھا ہونا، اس کا جذامی ہونا (یا) اس کا مفلوج ہونا اور دارالحرب میں اپنے آقا سے پہلے مسلمان ہونا۔

قرآن میں آزادیٔ مطلق اور کتابت کے علاوہ ذکر شدہ اسباب میں سے کسی اور سبب کا ذکر نہیں ہوا ہے اور اس سلسلے میں دو آیتیں ہیں:

۔ (۱) احزاب ۳۷ (۲) نور ۳۲]

کتاب العتق کے مختصر سے باب کے بعد ''کتاب النکاح'' کے عنوان سے ایک طویل باب ہمارے سامنے آتا ہے جو مطبوعہ کتاب کے ایک سو سینتالیس صفحات پر محیط ہے۔ یہ کتاب پانچ بحثوں پر مشتمل ہے۔ پہلی بحث ''احکام و اقسام نکاح'' سے متعلق ہے۔ دوسری ان خواتین سے متعلق ہے جن سے نکاح جائز نہیں۔ تیسری بحث کس بارے میں ہے مطبوعہ کتاب میں اس کی صراحت نہیں ملتی۔ معلوم نہیں کہ مفسر نے اسی طرح یہ ''کتاب'' لکھی ہے یا مرتب سے ابتدائی جملہ یا جملے نقل کرنے سے رہ گئے ہیں۔ اس ''کتاب'' کی ابتدا سورۂ نساء کی چوتھی آیت سے ہوتی ہے۔ چوتھی بحث نکاح کے ''بعض احکام'' کے متعلق ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہ آسکی کہ پہلی بحث میں ''احکام نکاح'' پر بھرپور روشنی ڈالی جا چکی ہے، اب مزید ''بعض احکام نکاح'' کے بیان کی کیا

ضرورت ہے۔ اس بحث کو پہلی بحث ہی میں ضم کیا جا سکتا تھا۔ پانچویں بحث پیغمبر ﷺ کے نکاح سے متعلق ہے۔ ''کتاب النکاح'' کی ابتدا میں مفسر نے جو تعارفی عبارت لکھی ہے وہ یہ ہے:

''این کتاب در بیان نکاح است و نکاح در لغت بمعنی وطی را بی واسطہ و در و فضیلت بسیار است و افضل است از ترک نکاح از جہت روایت امام صادق از رسول خدا کہ فرمود ''ما استفاد امرأ فائدة بعد الإسلام أفضل من زوجة مسلمة تسرّه اذا نظر اليها و تطيعه اذا أمرها وتحفظه اذا غاب عنها في نفسها وماله'' یعنی اخذ نہ کردہ است مرد فائدہ بعد از مسلمانی کہ فاضل تر بودہ باشد از زن مومنی کہ خوشحال گرداند اورا ہرگاہ کہ نظر کند بسوی آن زن و فرمان برداری او کند ہرگاہ کاری فرماید اورا و محافظت کند اورا در حق نفس خود و درحق مال او ہرگاہ غائب شود از او۔ واحادیث درین باب بسیار است۔ و درین کتاب پنج بحث است''

[یہ ''کتاب'' نکاح کے بیان میں ہے۔ لغت میں نکاح کے معنی جنسی ملاپ کے ہیں اور شرع میں اس کے معنیٰ وہ عقد ہے جس سے جنسی ملاپ کو بے واسطہ جائز قرار دیا جاتا ہے اور اس (عقد) میں بہت سی فضیلتیں ہیں اور نکاح کرنا، نکاح نہ کرنے سے افضل ہے۔ امام صادقؑ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ''مسلمان ہونے کے بعد مرد کو اس مومنہ عورت سے بہتر کوئی اور فائدہ حاصل نہیں ہوا ہے جس پر وہ جب بھی نظر ڈالے تو وہ (عورت) اس کو خوش کر دے اور جب بھی اسے کوئی حکم دے تو بجالائے اور جب بھی مرد اس کے پاس موجود نہ ہو تو اس (یعنی مرد) کے لیے اپنے نفس اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔ اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں ہیں۔ اس ''کتاب'' میں پانچ بحثیں ہیں]

''مبحث اول در احکام و اقسام نکاح است و در و شش آیت است''

[پہلی بحث نکاح کے احکام اور قسموں کے بارے میں ہے اور اس میں چھ آیتیں ہیں]

وہ چھ آیتیں یہ ہیں :(۱) نور ۳۲ (۲) نور ۳۳ (۳) نساء ۳ (۴) مومنون ۵-۷، معارج ۲۹-۳۱ (۵) نساء ۲۴ (۶) نساء ۲۵۔

''مبحث دوم: در بیان جماعتی است از زنان کہ نکاحِ ایشان جائز نیست و درو چہار آیت است''

[دوسری بحث ان عورتوں کے بارے میں ہے جن سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اور اس میں چار آیتیں ہیں]

وہ چار آیتیں یہ ہیں :(۱) نساء ۲۲ (۲) نساء ۲۳ (۳) نساء ۲۴ (۴) بقرہ ۲۲۰۔

مبحث سوم: جیسا کہ لکھا جا چکا ہے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کا ذیلی موضوع کیا ہے۔ اس ''کتاب'' میں جن دس آیتوں سے استشہاد کیا گیا ہے وہ یہ ہیں (۱) نساء ۴ (۲) نساء ۲۰-۲۱ (۳) بقرہ ۲۳۶ (۴) بقرہ ۲۳۷ (۵) نساء ۳۴ (۶) نساء ۳۰ (۷) نساء ۱۲۹ (۸) نساء ۱۲۸ (۹) طلاق ۷ (۱۰) طلاق ۸۔

''مبحث چہارم: در بعض احکام متعلق بہ نکاح است و درو نیز دہ آیت است''

[مبحث چہارم نکاح کے بعض احکام کے بارے میں ہے اور اس میں بھی دس آیتیں ہیں]

وہ آیتیں یہ ہیں :(۱) نور ۳۱ (۲) نور ۳۲ (۳) نور ۵۸ (۴) نور ۶۰ (۵) نور ۶۱ (۶) حجرات ۳ (۷) مدثر ۵ (۸) بقرہ ۲۲۲ (۹) بقرہ ۲۲۳ (۱۰) بقرہ ۲۲۴

''مبحث پنجم: در احکام متعلقہ بنکاح پیغمبر ﷺ درو ہفت آیت است''

[مبحث پنجم: پیغمبر ﷺ کے نکاح سے متعلق ہے اور اس میں سات آیتیں ہیں]

وہ سات آیتیں یہ ہیں :(۱) احزاب ۲۸ (۲) احزاب ۳۱ (۳) احزاب ۵۳ (۴) احزاب ۵۰ (۵) احزاب ۵۱ (۶) احزاب ۵۲ (۷) احزاب ۳۷

درج بالا پانچ مباحث کے بعد مفسر نے ''کتاب الفراق'' کے عنوان سے ایک باب تحریر کیا ہے جو چھ قسموں پر مشتمل ہے۔ اس باب کی ابتدا میں مفسر نے یہ جملے تحریر کیے ہیں:

''این کتاب در بیان چیز ہایست کہ باطل گرداند نکاح را و آنہا شش قسمند۔ قسم اول طلاق است و در دوہ آیت است''

[یہ کتاب ان چیزوں کے بارے میں ہے جو نکاح کو باطل کر دیتی ہیں اور اس کی چھ قسمیں ہیں۔ پہلی قسم طلاق ہے، اس میں دس آیتیں ہیں]

وہ دس آیتیں یہ ہیں (۱) طلاق ۱ (۲) طلاق ۲ (۳) بقرہ ۲۲۷ (۴) طلاق ۴
(۵) احزاب ۴۹ (۶) بقرہ ۲۳۴ (۷) بقرہ ۲۲۹ (۸) بقرہ ۲۳۱ (۹) بقرہ ۲۳۱ (۱۰) بقرہ ۲۳۲

''قسم دوم، خُلع و مبارات است و خُلع بضم خاء در شرع عبارت است از طلاق زوج زوجہ در عوض مالی از جانب زوجہ بسبب تنفر او از زوج و از خَلع بفتح خاء بمعنی بیرون کردہ جامہ و مثل آن زیرا کہ زوجہ بمنزلۂ لباس است چنانکہ آیت (ھن لباس لکم) دال است بر آن پس واگذاشتن او بمنزلۂ خلع باشد۔

و مبارات در لغت بیزار شدن دو کس است از یک دیگر و در شرع طلاقیست کہ در عوض مالی باشد از جانب زوجہ مقدار آنچہ از زوج گرفتہ یا کم تر از آن بہ سبب تنفر ہر دو از یک دیگر۔

و خلع و مبارات ہر دو طلاق بایند بقول مختار، و صحیح نیست رجوع در ایشان مگر بعد از رجوع زوجہ از بذل مال و فرق میان ایشان از چند وجہ است

یکی آنکہ در خلع معتبر است کہ تنفر از جانب زوجہ باشد و بس، و مبارات ہر دو جانب

دوم آنکہ در مبارات معتبر است کہ مالی کہ زوجہ در عوض طلاق می دہد زیادہ نباشد از آنچہ از زوج گرفتہ است و در خلع جائز است کہ زیادہ باشد و در نفس تعریفین مذکورین اشارتست باین دو وجہ۔

سوم آنکہ در مبارات لفظ طلاق شرط است باتفاق و در خلع خلافست و احوط آنست کہ اینجا نیز شرط باشد و درین دو قسم دو آیت است''

[دوسری قسم خلع و مبارات کی ہے۔ خُلع (خ پر پیش کے ساتھ) شرع میں اس طلاق سے عبارت ہے جو شوہر بیوی کو اس کی جانب سے ملنے والے مال کے بدلے

میں دے۔اس کا سبب شوہر سے بیوی کا تنفر ہوتا ہے۔اور خَلع (خ پر زبر کے ساتھ) کے معنی کپڑے اتار دینے وغیرہ کے ہیں کیوں کہ بیوی لباس کے مثل ہے جیسا کہ آیت (ھن لباس لکم) سے ثابت ہے اس لیے اس کو چھوڑ دینا لباس اتار دینے ہی کے مثل ہے۔

اور لغت میں مبارات کے معنی دو لوگوں کے ایک دوسرے سے بیزار ہونے کے ہیں اور شرع میں (مبارات) وہ طلاق ہے جو میاں بیوی کے ایک دوسرے سے نفرت کرنے کے سبب دی جائے۔اس میں بیوی کی جانب سے مال ادا کیا جاتا ہے۔ خواہ اس کی مقدار اتنی ہی ہو جتنی اسے شوہر سے ملی تھی یا اس سے کچھ کم۔

صحیح اور پسندیدہ قول کے مطابق خلع اور مبارات دونوں طلاق بائن ہیں اور ان سے رجوع کرنا درست نہیں ہے مگر (اس صورت میں کہ) بیوی مال خرچ کرنے سے رجوع کرلے (یعنی مال دینے سے انکار کر دے) خلع اور مبارات کے درمیان چند وجہوں سے فرق ہے۔ اول یہ کہ خلع میں اس کا لحاظ ہے کہ بیوی کی جانب سے (شوہر سے) تنفر ہو اور بس۔اور مباراۃ میں (تنفر) دونوں جانب سے ہوتا ہے۔

دوم یہ کہ مبارات میں وہ مال جو بیوی طلاق کے عوض شوہر کو دے وہ اس مال سے زیادہ نہ ہو جو شوہر سے اس نے پایا تھا اور خلع میں (یہ بات) جائز ہے کہ وہ مال شوہر سے پائے ہوئے مال سے زیادہ ہو۔خلع اور مبارات کی مذکورہ دونوں تعریفوں میں ان دونوں وجہوں کی جانب اشارہ موجود ہے۔

سوم یہ کہ مبارات میں لفظ طلاق متفقہ (طور پر) شرط ہے اور خلع میں لفظ طلاق کی شرط مختلف فیہ ہے۔زیادہ احتیاط پر مبنی قول یہ ہے کہ یہاں بھی لفظ طلاق کی شرط ہو۔ان دونوں قسموں کے بارے میں دو آیتیں ہیں]

مفسر نے اس مقام پر سوہ بقرہ کی ۲۲۹ ویں اور سورہ نساء کی نصف انیسویں آیت سے استشہاد کیا ہے۔

اس کے بعد ابوالفتح الحسینی نے قسم سوم پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے جو مطبوعہ تفسیر کے تیرہ صفحات پر محیط ہے۔ان کے اصل الفاظ یہ ہیں:

''قسم سوم ظہار است واو در شرع عبارت است از آنکہ تشبیہ کند زوج پشت زوجۂ خود را با پشت مادر یا بہ یکی از آنکہ حرام مؤبداند بہ نسب یا رضاع مثل آنکہ بگوید (ظھرک کظھر امی) یعنی پشت تو مثل پشت مادر من است واشتقاق او از ظہر ظاہر است ودرین قسم چہار آیت است متصل باہم وآن قول خدای تعالیٰ است در اول سورۂ مجادلہ''

[تیسری قسم ظِہار ہے۔ظہار شرع میں اس بات سے عبارت ہے کہ شوہر اپنی بیوی کی پیٹھ کو اپنی والدہ کی پیٹھ سے تشبیہ دے یا ان خواتین سے جو نسب یا رضاعت کے رشتے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے حرام ہوں۔مثلاً یہ کہے کہ تیری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کے مثل ہے اور لفظ ''ظہار'' ظہر (بمعنی پیٹھ) سے مشتق ہے اور بالکل ظاہر ہے۔اس قسم میں چار آیتیں ہیں جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔اللہ تعالیٰ کا وہ قول سورۂ مجادلہ کی ابتدا میں ہے]

اس کے بعد ابوالفتح الحسینی نے سورۂ مجادلہ کی یکم تا چہارم آیتوں کی تفسیر لکھ کر اپنی بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔مزید برآں انھوں نے سورۂ مجادلہ کی شان نزول بھی تحریر کی ہے۔

ابوالفتح الحسینی نے طلاق کی چوتھی قسم ایلاء کو قرار دیا ہے اور اس بحث کو انھوں نے مطبوعہ کتاب کے چھ صفحوں میں سمیٹا ہے۔پہلے انھوں نے ایلاء کی تعریف لکھی ہے، بعد ازاں کلام پاک کی آیات سے اپنی بات کا استشہاد کیا ہے۔ان کے نزدیک ''ایلاء'' یہ ہے:

''قسم چہارم ایلاء است وایلاء در لغت بمعنی سوگند خوردن است و در شرع عبارت است از سوگند خوردن بر ترک وطی زوجہ بر وجہ اطلاق یا بر وجہ تائید یا بر وجہ تقیید بزیادہ چہار ماہ یا بچیزی کہ حاصل نہ شود مگر بعد از زیادہ از چہار ماہ بیقین یا بحسب ظاہر۔ ودرین قسم دو آیت است متصل بہم وآن قول او در سورۂ بقرہ''

[چوتھی قسم ایلاء ہے۔لغت میں ایلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں اور شرع

میں ایلاء اس قسم سے عبارت ہے جو اپنی زوجہ سے جنسی ملاپ ترک کرنے کے لیے کھائی جائے، خواہ بغیر کسی قید کے، خواہ ہمیشہ کے لیے، خواہ چار مہینے سے زیادہ کی مدت کے لیے۔ یا کسی ایسی چیز کی قسم کھائی جائے جو حاصل نہ ہو پائے مگر چار مہینے کے بعد، خواہ یقیناً، خواہ ظاہری طور پر۔ اور اس قسم کے بارے میں دو آیتیں ہیں جو ایک دوسرے سے متصل ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سورۂ بقرہ میں ہے۔ بقرہ ۲۲۶ اور ۲۲۷]

''قسم پنجم لِعان است ولعان در لغت راندن ودور کردن است و در شرع عبارتست از نفرین کردنِ زوجین یک دیگر را بدوری از رحمت خدای تعالیٰ بصیغۂ معینۂ شرعیہ بسبب دشنام دادن زوج زوجۂ مدخولۂ خود را بزنا بشرط آنکہ منکوحہ بعقد دائم باشد نہ متعہ و مشہور نباشد بہ زنا۔ یا بسبب نفی زوج ولد زوج را کہ متولد شدہ باشد در فراش با شرائطِ لحوقِ ولد باو، و در ین قسم چہار آیت است متصل باہم در سورۂ نور وآن قول اوست، سورۂ نور آیت ۶ تا ۹''

[پانچویں قسم لِعان ہے۔ لغت میں لعان کے معنی بھگا دینا اور دوُر کرنا ہے اور شرع میں میاں بیوی کا ایک دوسرے کے واسطے رحمتِ خداوندی سے دوُری کے لیے شریعت کے مقررہ الفاظ میں لعنت کرنا ہے۔ شوہر کی جانب سے اپنی مدخولہ بیوی پر زنا کا الزام لگانے کی وجہ سے بشرطیکہ بیوی منکوحۂ دائمی ہو نہ کہ متاعی اور زنا کے لیے مشہور نہ ہو۔ یا شوہر کی جانب سے بیوی کے اس بچے سے انکار کی وجہ سے جو اس کے بستر پر پیدا ہوا ہو اور اس کے ساتھ جس کے لحوق (نسب کے ثبوت) کی تمام شرائط بھی موجود ہوں اس سے انکار کرنا (لعان ہے) اس قسم میں چار آیتیں ہیں جو ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ آیت ۶ تا ۹]

''قسم ششم: مرتد شدن زوج یا زوجہ است بقول مثل انکار یکی از ضروریات دین یا بفعل مثل سجدہ کردن نزد بت وانداختن مصحف در نجات است۔

واستدلال کردہ اند بر آنکہ ارتداد رافع نکاح است با آیات دالہ بر تحریم مسلمات بر مشرکین ومشرکات بر مسلمین۔

وبقول او "وَلاَ تُمْسِکُوا بِعِصَمِ الْکَوَافِرِ" چنانکہ گذشت

ومخفی نہ ماند کہ حرام است و جائز نیست تکلیف مسلمانان بارتداد وکفر تا حرام شوند بریشان زنان ایشان یا ایشان برشوہران خود چنانکہ مشہور است از بعض بدنفسانِ این زمان بنابر اغراضِ نفسانی، نعوذ باللہ من شرور أنفسنا من سیأت اعمالنا۔"

[چھٹی قسم: اپنے قول یا فعل کے ذریعے شوہر یا بیوی کا مرتد ہو جانا ہے، مثلاً دین کی بنیادی باتوں میں سے کسی ایک کا انکار کرنا یا بت کو سجدہ کرنا یا کلام اللہ کو نجاست میں ڈال دینا اور اس بات پر کہ ارتداد نکاح کو ختم کرنے والا ہے، لوگوں نے کلام اللہ کی ان آیتوں سے استدلال کیا ہے جن میں مسلمان عورتوں کو مشرک مردوں پر اور مشرک عورتوں کو مسلمان مردوں پر حرام قرار دیا گیا ہے اور اللہ کے اس فرمان (اور نہ رکھو اپنے قبضے میں ناموس کافر عورتوں کے) سے بھی استدلال کیا گیا ہے جیسا کہ گزر چکا۔

یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ حرام ہے اور جائز نہیں ہے مسلمانوں کو کفر وارتداد کے ارتکاب پر مجبور کرنا، تاکہ ان کی بیویاں ان پر حرام ہو جائیں اور بیویوں کے شوہر بیویوں پر حرام ہو جائیں، جیسا کہ اس زمانے کے بعض بدنفسوں کے سلسلے میں اپنی اغراض نفسانی کے بارے میں مشہور ہے۔ ہم اپنے نفوس کے شرور اور اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں]

ابو الفتح الحسینی نے طلاق کو ان ہی چھ قسموں میں تقسیم کیا ہے اور ہر قسم سے متعلق آیتوں کی تفسیر سے اپنی بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ (باقی)

**مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں**

**مولانا سید جلال الدین عمری** کے قلم سے

اپنے موضوع پر قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک تحقیقی اور مستند کتاب

◎ چوتھا ایڈیشن ◎ صفحات: ۶۰ ◎ قیمت =/۱۵

**انگریزی ترجمہ**

**Muslim Woman- Role And Responsibilities, ◎Rs. 20/-**

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

# شاہ ولی اللہؒ کا رسالہ ''غایۃ الانصاف''
## تالیف، تاریخ اور تکمیل

——— پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

اسلامی فقہ کے ارتقا، مختلف مسالک کی تشکیل، فقہی اختلافات کی تحلیل اور اہلِ ایمان کو ایک نقطۂ اتحاد پر جمع کرنے کی کوشش پر مبنی شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ (ولادت ۴؍شوال ۱۱۱۴ھ/۲۱؍فروری ۱۷۰۳ء بروز بدھ، قصبہ پھلت، ضلع مظفر نگر یوپی۔ وفات ۲۹؍محرم ۱۱۷۶ھ/۲۰؍اگست ۱۷۶۲ء بروز جمعہ دہلی) کی یہ معرکہ آرا، نادر اور بے مثل کتاب ہے۔ اب تک اس کی کئی طباعتیں منظر عام پر آچکی ہیں اور کم از کم اردو میں اس کے کئی ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

اس کی طباعتوں میں غالباً اولین طباعت مطبع صدیقی بریلی کی ہے جو ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں اہلِ علم کے سامنے آئی۔ دوسری مطبع مجتبائی دہلی نے ایک سال بعد ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء میں پیش کی۔ اس کتاب کو غیر ممالک میں بھی مقبولیت حاصل ہوئی۔ چناں چہ محی الدین خطیب نے ۱۹۶۰ء میں قاہرہ سے، رشید احمد جالندھری نے ۱۹۷۱ء میں لاہور (پاکستان) سے اور عبدالفتاح ابوغدہ نے ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء میں بیروت سے مختصر حواشی و تعلیقات کے ساتھ شائع کیا۔ اردو تراجم میں محمد عبداللہ بلیاوی کا ترجمہ بعنوان ''کشاف'' ۱۸۸۶ء میں لکھنو سے شائع ہوا۔ دوسرا ترجمہ محمد عبدالشکور فاروقی کا ہے جو ''وصاف'' کے نام سے لکھنؤ سے ۱۹۱۰ء میں چھپا۔ تیسرا ترجمہ وتلخیص صدرالدین اصلاحی کے قلم سے ہے جو مرکزی مکتبہ دہلی نے ۱۹۷۳ء میں ''اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ'' کے عنوان سے شائع کیا۔ اس سے قبل اس کا اولین ایڈیشن اسی ادارے کے تحت اسی عنوان سے ۱۹۵۲ء میں رامپور سے چھپا تھا۔

اس کتاب کے کم از کم پندرہ مخطوطات کا اب تک پتا چل چکا ہے۔ امکان ہے کہ مزید خطی نسخے دوسرے کتاب خانوں میں موجود ہوں گے۔ معلوم خطی نسخوں میں چھ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں ہیں۔ پانچ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے کتب خانہ شبلی نعمانی میں محفوظ ہیں۔ اور ایک ایک جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، شاہ ابوالخیرؒ اکیڈمی دہلی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتاب خانہ مولانا آزاد اور کلکتہ کے کتاب خانے (؟) میں موجود ہیں[1]۔

یہ نہیں پتا چلتا کہ مذکورہ کتاب کی مندرجہ بالا طباعتیں کس کس خطی نسخے پر مبنی ہیں؟ یہ طے ہے کہ وہ سب معلوم و دستیاب مخطوطات پر مشتمل نہیں ہیں۔ ایک طباعت نے دوسری طباعت کی راہ ہموار کی ہے اور محققین اور ناشرین نے مختلف مخطوطات کو جمع کر کے ان سے متون کا مقابلہ و مقارنہ کر کے صحیح اور معیاری متن کو مرتب اور طبع کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ کم از کم یہ بات اب تک معلوم و دستیاب طباعتِ آخریں کی حد تک ضرور صحیح ہے۔ کیوں کہ ناشر گرامی ’’احمد راتب عرموش‘‘ نے وضاحت و ایمان داری سے اعتراف کیا ہے کہ اختلافِ نصوص کو دور کرنے کے لیے انھیں کوئی ایسا ’’مخطوطہ‘‘ نہیں مل سکا جو غرض پوری کرتا[2]۔

متن کے اختلافات دوٗر کرنے اور صحیح متن کو معیاری انداز سے پیش کرنے کی بات تو دوٗر رہی، اس اہم تصنیف کا صحیح عنوان بھی نہیں رکھا جا سکا۔ یہ ممکن ہے کہ اولین طباعت جس مخطوطہ پر مبنی ہو اس میں اس کا نام ’’الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف‘‘ ہی لکھا رہا ہو، جیسا کہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ جن مخطوطات کو حاصل کیا جا چکا ہے ان میں یہی عنوانِ کتاب ملتا ہے۔ یہ پتا لگانا مشکل ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے جب اس کتاب کو ایک آزاد اور مستقل کتاب کی حیثیت سے مرتب فرمایا تو اس کا یہی عنوان رکھا تھا یا دوسرا جس کا حوالہ ان کی معروف تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں ملتا ہے۔ شاہ صاحب یا ان کے معاصر کاتب کی ایسی کوئی تحریر ابھی تک نہیں مل سکی جو اس قضیہ کا فیصلہ کر سکے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ کتاب کی اولین طباعت میں جب اس کا عنوان ''الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'' لکھا گیا تو بعد کی طباعتوں میں بھی سکۂ رائج الوقت کی مانند چل پڑا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے البتہ اس کا اصل نام کم از کم تالیف کے اولین مرحلہ میں ''غایۃ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'' رکھا تھا۔ اس عنوان کی صراحت انھوں نے اپنے قلم سے اپنی شاہ کار کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں کی ہے[۳]

تمام دوسرے مخطوطات سے موازنہ کا معاملہ سرِ دست مشکل ہے کہ وہ ہمیں دستیاب نہیں ہیں، لیکن زبان، بیان، آہنگ اور مضاف ومضاف الیہ کی متوازن نسبت کی بنا پر یہ واضح ہوتا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ میں، جس کی حیثیت اس کتاب کے لیے مادر تصنیف کی ہے، مذکورہ عنوانِ کتاب ہی زیادہ صحیح اور بہتر ہے۔ مزید وضاحت اگر چہ مبتدیانہ وطالب علمانہ تحقیق کو رسوا کرنے کے مترادف ہے، لیکن بات واضح کرنے کی غرض سے ضروری معلوم ہوتی ہے۔ عنوانِ کتاب کا آخری جزو ''اسباب الاختلاف'' مضاف ومضاف الیہ پر مبنی ہونے کے سبب تقاضا کرتا ہے کہ اولین جزو بھی مضاف و مضاف الیہ پر مبنی ہو، لہٰذا ''غایۃ الانصاف'' بہتر اضافت ہے اور اسی کے ساتھ وہ دونوں اجزاء کے آہنگ کے پلّوں کو برابر کر دیتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ ان دونوں اجزاءِ اصلیہ کے درمیان واقع ''فی بیان'' کا رابطہ کا جزو بھی پورے آہنگ میں آجاتا ہے۔ اس تحقیقی موشگافی اور طالب علمانہ جزو نگاری کے پیچھے در اصل قرونِ وسطیٰ کے مولفین کرام کا دلچسپ، مسجّع و مقفّی اور موسیقی آمیز عناوینِ کتاب رکھنے کی قدیم و دل آویز روایت کا پشتہ لگا ہوا ہے۔ سیدھے سادے ایک لفظی یا دو لفظی عناوین یا تو مضاف ومضاف الیہ یا صفت وموصوف پر مشتمل ہوتے تھے، یا پھر اسی طرح تین اجزاء پر۔ لہٰذا شاہ ولی اللہ دہلوی کی اس کتاب کا صحیح، بہتر اور اصل عنوان ''غایۃ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'' ہی معلوم ہوتا ہے۔ کم از کم شاہ صاحب کی ''مادرِ تصنیف'' یہی کہتی ہے۔ سوائے اس کے کہ بعد میں مؤلف گرامی نے کسی وجہ سے ''غایۃ'' کو نظر انداز کر دیا ہو، جو بظاہر مستند نہیں لگتا۔

شاہ ولی اللہ کی ''مادرِ تصنیف'' کا ذکر اوپر بار بار ہوا اور بالقصد و بالارادہ ہوا۔ اس کے پیچھے ایک خیال، ایک نظریہ اور ایک زاویہ مستور ہے۔ وہ بالعموم فکری مؤلفین یا طبع زار محققین کا طرّہ امتیاز ہے۔ فکر و نظر کی دنیا میں بالعموم یہ دیکھا گیا ہے کہ جو مفکرین و محققین کسی ایک خاص فکر و تحقیق کو اپنے دماغ و قلب میں استوار و راسخ کر لیتے ہیں وہ ''بنیادی فکر و نظر'' ان کی تمام تالیفات وافکار میں ''خون دل'' کی مانند گردش کرتی رہتی ہے، خواہ ان کے موضوعات بظاہر کتنے ہی مختلف و متنوع ہوں۔ اسی بنیادی فکر کا اظہار جب کسی ''بڑی کتاب'' میں ہوتا ہے تو وہ اس مصنف مؤلف کی علیت وفکر کی ترجمان بن جاتی ہے، ضخامت وعظمت کے علاوہ وہ متنوع، مگر باہم دگر متحد موضوعات و مضامین پر مشتمل ہوتی ہے۔ کبھی کبھی وہ بنیادی، ترجمانِ فکر اور جامع حیثیات کتاب مختلف چھوٹے بڑے رسالوں اور کتابوں پر حاوی ہوتی ہے، یا بعض اوقات اس کے ذیلی اور ضمنی مباحث پھیل کر مستقل بالذات مختلف تصانیف کا روپ دھار لیتے ہیں اور ''کتاب عظیم'' کے بعد ظہور کرتے ہیں۔ فکر و تحقیق کی دنیا میں یہ ایک مسلّمہ قاعدہ اور پختہ حقیقت ہے کہ صاحبِ فکر و جستجو اور اہلِ نظر و آبرو مؤلفین و محققین کی بنیادی کتاب و تصنیف سے متعدد دوسری کتابیں برآمد ہوتی ہیں۔

''حجۃ اللہ البالغہ'' شاہ ولی اللہ دہلوی کی ایسی ہی ''مادر تصنیف'' ہے جس میں متعدد کتابوں کے مباحث سموئے ہی نہیں گئے ہیں، اس نے متعدد تصانیف و رسائل کو بھی جنم دیا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں قرآن، تفسیر، علومِ قرآنی، حدیث وتشریحِ حدیث، فقہ، اصول وتعبیر فقہ، تصوف، افکار و مسائلِ تصوف، سماجی و معاشی امور و مباحث اور بعض دوسرے مضامین پر مشتمل مباحث نے بعد میں مستقل رسالوں اور کتابوں کی صورت اختیار کر لی۔ ان کی بنیادی فکر اور اصولی بحث تو ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں موجود تھی، مگر اس کی تفصیلات و جزئیات بعد کی تصانیف میں جلوہ گر ہوئیں۔ دوسری کتابوں اور رسالوں پر بحث سے قطع نظر کہ وہ سر دست ہمارے موجودہ مطالعہ کے دائرہ عمل سے باہر ہے ''غایۃ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'' کے حوالے سے ''حجت'' کی مادریت،

ماخذ ومنبع ہونے کی بحث پیش کی جارہی ہے۔

''غایۃ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'' ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے بطنِ متن میں موجود ومحفوظ ہے اور اس سے بعد میں نکلی ہے۔ بعض اختلافاتِ فکر ومباحث اور جزئیات کی کمی بیشی کے ساتھ وہ تمام مطبوعہ نسخوں میں پائی جاتی ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب حجۃ کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے اور قسم اول کے سات مباحث کو ستر ابواب پر مشتمل بتایا ہے۔[۴]

اس قسم کے بنیادی مباحث کے ستر ابواب کے خاتمہ پر ایک ''تتمہ'' بھی موجود ہے، جو بقول مرتبِ گرامی چار ابواب پر مشتمل ہے۔ مرتب گرامی نے حاشیہ میں اس وضاحت کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تتمہ مشتمل بر ابوابِ اربعہ تا آغازِ قسمِ دوم صرف ایک نسخہ میں ملا ہے اور انھوں نے نسخہ مذکورہ کے مطابق متن میں اس تتمہ کو باقی رکھا ہے، کیوں کہ اس کا مضمون کتاب کے مناسب ہے اور اس کے آخر میں مصنف کا کلام بھی یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اصل کتاب میں باقی وملحق رکھا جائے۔ مرتب گرامی نے ایک مشہورِ عوام بات یہ لکھ دی ہے کہ مصنفؒ کو اس کتاب پر نظر ثانی کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کی وجہ نہیں لکھی۔[۵]

متنِ حجۃ اللہ البالغہ پر مشتمل تینوں دستیاب طباعتیں ایک ہی کہانی سناتی ہیں کہ وہ ایک ہی کہانی کار کے قصہ پر مبنی ہیں۔ بقیہ بحث سے قطعِ نظر، مرتب اول کا آخری تبصرہ کہ کتاب ''حجۃ'' پر شاہ ولی اللہ دہلوی کو نظرِ ثانی کا موقع نہیں ملا تھا، صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ شاہ صاحب کی اولین عظیم ترین تصنیف ہے جو حرمین شریفین سے واپسی کے فوراً بعد انھوں نے ۱۱۴۲ھ/۱۷۳۲ء میں لکھنی شروع کی اور تین سال کی مشقت کے بعد ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۵ء میں مکمل کر لی۔ شاہ صاحب اس کی تصنیف وتکمیل کے بعد کم وبیش ستائیس سال زندہ رہے اور اس کتاب کو سبقاً سبقاً پڑھاتے رہے۔ لہٰذا نظرِ ثانی نہ کر سکنے کی بات بداہتاً غلط ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کے مرتب اول کا یہ تبصرہ البتہ صحیح ہے کہ ''تتمہ'' اصل کتاب کا

مضمون، بالخصوص اس کے آخری مباحث یا مبحث سے پوری طرح لگا کھاتا ہے۔ اس لیے وہ کتابِ جامع کے ایک نسخہ ہی میں سہی، باقی و قائم رکھا گیا ہے۔ یہ ناسخ یا کاتب کا کارنامہ نہیں، بلکہ حضرت مؤلف گرامی کا فیصلہ معلوم ہوتا ہے۔ تتمہ کے خاتمہ پر جو عبارت ہے اس میں یہ صراحت پائی جاتی ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''اس مقام پر ہم نے کلام کو غایت درجہ طول دیا ہے، یہاں تک کہ ہم اس فن (کے دائرے) سے باہر چلے گئے جس میں ہم نے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ ہم نے ایسا بلا وجہ اور بلا سبب نہیں کیا ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں کسی وقت ایک میزان قائم کردی ہے جس کے ذریعہ ملتِ محمدیہ علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں واقع ہونے والے ہر اختلاف کو میں جان لیتا ہوں۔ اور یہ بھی جان لیتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول (اکرم ﷺ) کے نزدیک کیا چیز حق ہے۔ اس نے مجھے یہ قوت بھی بخشی ہے کہ اسے عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ اس طرح ثابت کروں کہ اس میں کوئی شبہ باقی رہے نہ کوئی اشکال۔ لہٰذا میں نے ایک کتاب کی تالیف کا فیصلہ کرلیا جس کا نام ''غایۃ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'' رکھوں گا اور جس میں ان مطالب (مضامین) کا بیانِ شافی پیش اور واضح کروں گا۔ اور اس میں شواہد، امثال اور تفریعات (جزئیات) کا ذکر زیادہ کروں گا اور اس کے ساتھ ہر مقام پر افراط و تفریط کے درمیان اعتدال بھی قائم رکھوں گا اور کلام (و بحث) کے تمام اطراف (جوانب) اور مقصود و مرام کے تمام اصول کا احاطہ بھی کروں گا۔ ابھی تک میں اس کے لیے فراغت نہیں پا سکا۔ اگرچہ اختلاف کے سرچشمہ تک مباحثہ کو نہیں پہنچا سکا، تاہم اس نے مجھے یہ مہمیز ضرور دی کہ جو کچھ میسر ہو سکا اسی کو یہاں واضح اور بیان کردوں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے معاصرین کو ہمارے بیان کردہ مباحث سے جو شغف ہے اور ان میں جو اختلاف اور ہمہ گیری پائی جاتی ہے اس کی بنا پر یہ مختصر بحث لکھ دی، کیوں کہ وہ اپنے اختلاف و جدال میں اس حد تک پہنچ گئے کہ وہ آیات اللہ میں، جو ان پر تلاوت کی جاتی ہیں، ظلم و زیادتی کی کگار پر پہنچ گئے ہیں۔[۹]

حجۃ اللہ البالغہ کی قسم اول کے تتمہ کا مباحث میں اور بعد کے مرتبہ وشائع کردہ ''غایۃ الانصاف'' کے متن میں کیا کیا فرق اور کیسے کیسے اختلاف ہیں ان سے بحث کرنے سے قبل ایک اور متعلقہ مسئلہ سے بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ اور وہ ہے ''غایۃ الانصاف'' کے سنۂ تالیف کا مسئلہ۔ اس پر زیادہ بحث یا دلائل و براہین کا انبار لگانے یا شواہد پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف یہ تنقیح کرنی کافی ہے کہ ''غایۃ الانصاف'' کا بنیادی متن ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی تسوید کے وقت، بلکہ اس کے قسم اول کی تسوید کے زمانے میں مرتب ہوگیا تھا۔ کتاب حجہ کے سنہ تالیف کی تعیین میں یہ بحث دلائل وشواہد سے طے پا چکی ہے کہ ''مادر تصنیف'' شاہ صاحب کے سفر حرمین شریفین معاً بعد لکھی جانی شروع ہوئی یعنی ۱۱۴۲ھ/۱۷۳۲ء کے اواخر/ وسط میں اور ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۵ء کے وسط سے قبل ہی اس کی تکمیل ہوگئی۔

لہٰذا ''غایۃ الانصاف'' کا بنیادی متن، جو ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی قسم اول کے اواخر میں شامل ہے، اسی سہ سالہ مدت میں لکھا گیا تھا، بلکہ اس مدت کے بھی وسط میں۔ کیوں کہ مؤلف گرامی نے اس کے بعد حجۃ اللہ البالغہ کی دوسری قسم کی تالیف شروع کی۔ ظاہر ہے کہ اس کے آغاز و تکمیل میں کچھ مدت ضرور لگی تھی۔ اگر دونوں قسموں کی مدت تسوید برابر مان لی جائے جواز روئے انصاف صحیح معلوم ہوتی ہے تو ''غایۃ الانصاف'' کے بنیادی اولین متن کی تالیف ۱۱۳۴ھ/۱۷۴۴ء کے وسط کے قریب رہی ہوگی۔ کہا جاسکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی کی اس کتاب (غایۃ الانصاف) کا اولین متن اوائل ۱۱۳۴ھ/۱۷۴۴ء میں مرتب ہوا تھا۔

اس تصنیف نے کب مکمل و آزاد اور خود مختار کتاب کا روپ دھارا؟ اس کا جواب زیادہ مشکل نہیں۔ تمام بنیادی مباحث کے دونوں میں مشترک بلکہ زبان و بیان کے اعتبار سے یکساں ہونے کی حقیقت یہ بتاتی ہے کہ مؤلف علام نے مادر تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی تکمیل کے معاً بعد اسے بھی مکمل کرلیا تھا۔ ایک امکان بہر حال یہ بھی ہے کہ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ کی قسمِ دوم کی تکمیل سے قبل، یا اس کے دوران

اضافے شامل کر دیے ہوں، کیوں کہ ان کے مباحث کمیت و کیفیت دونوں لحاظ سے زیادہ محنت، وقت یا تلاش و تفحص کے طالب نہیں ہیں۔ بہر حال ''غایۃ الانصاف'' کا بطور مستقل کتاب و رسالہ مکمل ہونے کا زمانہ زیادہ سے زیادہ ۱۱۴۵ھ/۳۵-۱۷۳۲ء کا اوئل ہی معلوم ہوتا ہے۔

''غایۃ الانصاف'' کے اولین متن کی تسوید و تبییض اور کامل رسالہ کی صورت میں اس کی اشاعت نیز اسی دوران مادر تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی تالیف و تکمیل ہمیں ایک اور مسئلہ سے دوچار کرتی ہیں۔ اور وہ ہے ایک وقت یا ایک زمانے میں ایک سے زیادہ رسالوں، کتابوں اور تحریروں کی تالیف و تصنیف اور ان کی اشاعت۔ ساری عمر ایک یا دو تحریریں لکھنے والوں یا عام قارئین کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے کہ بیک زمان ایک سے زیادہ رسالے، مضامین یا کتابیں تصنیف کیے جاسکتے ہیں تو حیرانی کی بات نہیں۔ لیکن اہلِ فکر اور صاحبانِ تحقیق اور مؤلفینِ تصانیف خوب جانتے ہیں کہ بسا اوقات ایک سے زیادہ تصانیف و مقالات زیر تسوید و تصنیف آتے ہیں اور ان کی تکمیل و اشاعت یکے بعد دیگرے، معمولی زمانی فرق کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ صرف علمِ عالم ہی کی بات نہیں عارف کے تجربہ کی صداقت بھی ہے۔ بقول شاہ ولی اللہ یہ زیرِ بحث مقالہ کے دائرے سے نکلنے والی بات ہے اور اس کا مقام ایک دوسرا مقالہ ہے، تاہم مقطع میں سخن گسترانہ بات آپڑی ہے تو مختصرا شاہ ولی اللہ دہلوی کی بعض دوسری تصانیف سے اس کا حوالہ دیا جارہا ہے۔ کامل و مدلل بحث پھر کی جائے گی۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تصنیفی سرگرمی اور تالیفی کارکردگی کا سلسلہ ان کے سفرِ حرمین شریفین سے کچھ مدت یا کچھ برس قبل شروع ہو چکا تھا اور مقدس سفر سے واپسی کے بعد وہ تیز سے تیز تر اور وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ ''فتح الرحمٰن'' کا مقدمہ بتاتا ہے کہ اس کا آغاز سفر سے قبل ہو چکا تھا، مگر اس کی تکمیل میں وقفے آتے رہے۔ تا آنکہ وہ ۱۰/ذی الحجہ ۱۱۵۰ھ/۳۱/مارچ ۱۷۳۸ء کو مکمل ہوا۔ گویا اس کی تکمیل ۱۱۴۰ھ/۱۷۳۰ء اور ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۸ء کی دہائی میں ہوئی۔ اس دوران مؤلفِ گرامی کی چھوٹی بڑی متعدد

کتابیں اور رسالے وجود میں آئے۔ ان میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' جیسی ضخیم تالیف بھی شامل تھی اور ''اربعون حدیثاً'' جیسا مختصر رسالہ بھی۔ ''شرح تراجم ابواب صحیح البخاری'' اور ''فیوض الحرمین'' جیسے متوسط حجم کے کارنامے بھی۔ پھر ''غایۃ الانصاف'' تو ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی زائیدہ بھی ہے۔ ایسی ہی اور بعض تصانیف ہیں جو مباحث حجۃ اللہ البالغہ کی توسیعات و اضافات ہی ہیں۔ یہ ایک اور طویل بحث ہے جو ایک اور مقالے کی طالب ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں شامل ''غایۃ الانصاف'' کا اولین و بنیادی متن اور کامل رسالہ کی صورت میں اس کی تالیف و اشاعت دونوں کی ضخامت و حجم اور ان کے فرق پر ایک نظر ڈال لینی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ ان دونوں کی مختلف طباعتوں میں دونوں کی ضخامت الگ الگ نظر آتی ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ ان کی طباعتیں مختلف سائز کی ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ کی طباعتِ مکتبہ رشیدیہ میں یہ اولین متن بائیس صفحات (ص ۱۴۰ کے نصف سے ص ۱۶۱ کے آخر تک) میں پھیلا ہوا ہے۔ یہی ضخامت مکتبہ سلفیہ کی طباعت میں ملتی ہے کہ وہ مکتبہ رشیدیہ کی طباعت کا عکس ہے۔ لیکن سید سابق کے مرتبہ نسخۂ حجۃ اللہ البالغہ میں ''غایۃ الانصاف'' کا اولین متن پینتالیس صفحات (ص ۲۹۶ کے وسط سے ص ۳۴۱ کے وسط تک) پر محیط ہے۔ اولین دونوں طباعتوں میں صفحے بڑے، سطریں زیادہ اور عبارت قریب قریب ہے اور بالعموم ان میں پیراگراف درمیانِ عبارت میں بہت کم ہیں۔ جب کہ سید سابق صاحب کی طباعت میں تقطیع تو وہی ہے، مگر موادِ طباعت کم وسیع، سطریں کم تر ہیں اور اس سے زیادہ سطروں کے درمیان جگہ زیادہ ہے اور پیراگراف بھی زیادہ ہیں۔

اس کے بالمقابل ''غایۃ الانصاف'' کا کامل رسالہ ضخیم تر معلوم ہوتا ہے کہ اضافات پر بھی مشتمل ہے۔ سب سے ضخیم عبد الفتاح ابو غدہ کا مرتبہ رسالہ ہے جو مقدمۂ مؤلف سمیت کل سو صفحات (ص ۱۳ تا ص ۱۱۱) پر مشتمل ہے۔ رسالہ کی تقطیع مختصر ترین، کتابت کھلی ہونے کے علاوہ بہت سے پیراگرافوں پر مبنی ہے۔ بسا اوقات آیاتِ کریمہ ایک ہی جگہ سات آٹھ آئی ہیں تو سات آٹھ پیراگرافوں میں ہیں۔ اسی کے ساتھ مرتب

گرامی نے بہت سے مقامات پر حواشی وتعلیقات دیے ہیں جو مختصر ترین ہونے کے علاوہ بعض بعض صفحات پر پورے پورے حاوی ہیں۔ مزید اضافاتِ مؤلف بھی تو ہیں۔ ابو غدہ کی طباعت میں بعد کے اضافوں کی ضخامت بہت زیادہ نہیں ہے۔ دو ایک مقامات پر ایک آدھ سطر یا چار پانچ سطروں پر مشتمل دو تین پیراگرافوں کے اضافوں کے علاوہ سب سے بڑا اضافہ'' باب حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ ''میں ہے۔ عنوان میں چار سطری وضاحتی اضافہ ہے، مگر سب سے بڑا اضافہ وہ ہے جو صفحہ ۶۹ سے شروع ہوتا اور صفحہ ۸۶ پر ختم ہوتا ہے۔ وہ لگ بھگ اٹھارہ صفحات پر محیط ہے۔ مجموعی طور سے ابو غدہ کی طباعت کے کل بیس صفحات (زیادہ سے زیادہ) بعد میں بڑھائے گئے ہیں، یعنی رسالہ کا خمس بعد میں نکالا گیا۔

☆☆☆

## حواشی ومراجع:

1. محمد مشتاق تجاروی، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تصانیف کے مخطوطات (غیر مطبوعہ) مملوکہ شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، ادارۂ علومِ اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
2. کلمۃ الناشر، عبد الفتاح ابو غدہ، طبع بیروت ۱۹۷۷ء، ص۶: ''...... خاصۃ انی لم اعثر علیٰ مخطوط یفیٔ بالغرض''
3. مرتبہ السید السابق، دار الکتب الحدیثہ، قاہرہ ۵۳-۱۹۵۲ء، ۱/۳۴۰، مکتبہ سلفیہ لاہور، غیر مورخہ، ۱/۱۶۱، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی ۱۹۵۳ء، ۱/۱۶۱۔
4. ''القسم الاول فی ...... سبعۃ مباحث فی سبعین بابا'' مکتبہ سلفیہ لاہور، ۱/۱۱
5. مکتبہ سلفیہ، ۱/۱۴۰، حاشیہ۲، قاہرہ طباعت، ۱/۲۹۶، حاشیہ۲، مکتبہ رشیدیہ، ۱/۱۴۰
6. مکتبہ رشیدیہ، ۱/۱۶۱؛ مکتبہ سلفیہ، ۱/۱۶۱؛ قاہرہ، ۱/۳۴۱-۳۴۰

# مالابار میں اسلام
## (ایک تاریخی جائزہ)

——————— پروفیسر احتشام احمد ندوی

ہندوستان کے جنوب مغرب میں مالابار کا علاقہ اپنی طبعی اور جغرافیائی خصوصیات کے باعث ملک کی تاریخ میں ایک اہم مقام کا حامل ہے۔ مالابار اور اس سے ملحق دوسرے علاقوں کو اب ''کیرالا'' کہا جاتا ہے۔

### محلِ وقوع:

کیرالا ہندوستان کے جنوب مغرب عرض البلد ۸ء۱۸ اور ۴۸ء۱۲ اور طول البلد ۵۲ء۷۴ اور ۲۴ء۷۷ پر واقع ہے۔ اس کے مشرق میں مغربی گھاٹ کے پہاڑ ہیں اور مغرب کی طرف بحرِ عرب ہے۔ کیرالا شمال سے جنوب تک ۵۷۴ کلومیٹر کی پٹی ہے جس کی چوڑائی صرف ۱۱۲ کلومیٹر ہے۔ کل علاقہ ۳۸۸۶۴ مربع میٹر ہے۔ مالابار کیرالا کے شمال میں واقع ہے۔ یہ علاقہ پہلے صوبۂ مدراس کا ایک ضلع تھا جو انگریز کلکٹر کے ماتحت تھا، مگر آزادی کے بعد جب ۱۹۵۶ء میں ملایالم بولنے والوں کا اپنا صوبہ بنا تو کیرالا کے نام سے اس وقت اِس علاقہ مالابار میں کئی ضلعے بنے، یعنی ترچور، پالی گھاٹ، کالی کٹ، کینانور، پھر بعد میں مسلمانوں کی اکثریت کا ایک ضلع ملاپرم کے نام سے بنا۔ اس کے بعد ویاناڈ اور کاسرگوڈ دو ضلعے اور بنے۔ اس طرح مالابار میں چھ ضلعے ہو گئے۔ ملاپرم کی آبادی تریونیڈرم، کوچین اور ترچور سے کم ہے، اصل آبادی مذکورہ پانچ ضلعوں میں ہے۔ ترچور میں بھی آبادی کم ہے۔ ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق مسلمانوں کی تعداد کیرالا میں ۲۳ فیصدی ہے۔

## ''مالابار'' اور ''کیرالا'' کی لغوی تشریحات:

مؤرخین کا خیال ہے کہ لفظ مالابار میں پہلا لفظ ملایالم ہے اور دوسرا عربی۔ملا کے معنی ملایالم میں پہاڑ کے ہیں۔'بار' دراصل بَر ہے جس کے معنی عربی میں زمین یا خشکی کے ہیں۔عرب مؤرخین نے مالا بار لفظ ہی استعمال کیا ہے۔خاص طور سے جن سیّاحوں نے اِس علاقہ کا سفر کیا ہے انھوں نے مانی بار یا مالی بار لکھا ہے۔ظاہر ہے کہ اس سے مراد موجودہ مالابار ہے۔لیکن اِس کو معبر بھی کہتے ہیں۔

لفظ کیرالا کی کئی تشریحیں کی گئی ہیں۔بعض نے لکھا ہے کہ یہ لفظ سنسکرت سے عبارت ہے،جس کا مطلب ہے ناریل کی سرزمین۔یہی بات دل کو زیادہ لگتی ہے۔کیرم کے معنی ہیں ناریل اور الم کے معنی زمین کے ہیں،یعنی ناریل کی سرزمین۔مگر یہ معنٰی متفق علیہ نہیں ہیں۔دوسری تاویل ''کیرالا'' کی یہ ہے کہ یہ لفظ کیرا سے نکلا ہے۔کیرا ایک خاندان کا نام ہے۔اس خاندان نے کئی صدیوں تک کیرالا پر حکومت کی تھی۔''الیا'' کے معنی ہیں زمین کے۔کیرالیا کیرالا بن گیا جس کے معنی ہیں 'خاندانِ کیرا کی سرزمین''۔تیسری تاویل اس لفظ کی یہ ہے کہ کیرالا عربی کا لفظ خیر اللہ ہے چوں کہ یہاں کی سرزمین میں مسالے،ناریل،لونگ،چائے،کافی،جائفل،کالی مرچ اور الائچی وغیرہ پیدا ہوتی ہیں اور یہ قیمتی چیزیں ہیں،لہٰذا اس زمین کو خیر اللہ کہا گیا۔اس نظریہ کے موجد عبداللہ ملی باری ہیں جو کہ مکۃ المکرمہ میں محکمۂ برید سے منسلک ہیں اور شاعری بھی کرتے ہیں۔

## عربوں سے تعلقات:

کیرالا میں ناریل،کاجو اور مسالے پیدا ہوتے ہیں اور پوری دنیا کو جاتے ہیں۔چوں کہ پورا علاقہ ساحلِ سمندر پر واقع ہے لہٰذا غیر ملکیوں خصوصاً عربوں کی آمد و رفت کا سلسلہ اِس علاقہ میں صدیوں سے قایم ہے۔عرب تجار یہاں سے لونگ،الائچی، جوز،(جائے پھل)،ناریل،لکڑی،کالی مرچ اور دوسری چیزیں لے جاتے ہیں۔وہ

یہاں اب بھی آتے ہیں ۔ چار چھ ماہ قیام کرتے ہیں ، شادیاں بھی کر لیتے ہیں جس کو ملایالم زبان میں ''ویواہم'' کہا جاتا ہے ۔ یہ عرب شادیاں کس قسم کی ہوتی ہیں : یہ لوگ بیس پچیس ہزار روپے دے کر کسی مسلمان لڑکی سے شادی کر لیتے ہیں ۔ کبھی لڑکی کو اپنے ساتھ عرب لے جاتے ہیں، کبھی ہندوستان میں ہی چھوڑ جاتے ہیں اور خرچ دیتے رہتے ہیں اور جب دوبارہ آتے ہیں تو پھر اسی خاندان میں ٹھہرتے ہیں ۔ اس طرح ان کو اس سرزمین میں اپنے اعزہ اور اپنے ہم درد مل جاتے ہیں جو فصل آنے پر عمدہ سامان ان کے لیے خرید لیتے ہیں اور صحیح اطلاع تجارتی نقطۂ نظر سے ان کو دیتے ہیں، پھر وہ دھوکہ سے محفوظ رہتے ہیں ۔ جب وہ تجارت کر کے واپس جاتے ہیں تب بھی ان کے مفادات کی حفاظت ان کا یہ نیا خاندان کرتا رہتا ہے ۔ عرب شادی کی تیسری قسم یہ ہے کہ چلتے وقت یہ تاجر طلاق دے دیتے ہیں اور زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے ۔ اس علاقے کے مصلحین نے یہ کوشش کی کہ اس طرز کی شادیاں ختم کر دی جائیں ، مگر ان کو اپنے مقصد میں کام یابی حاصل نہیں ہوئی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنوبی ہند میں تلک کی رسم زوروں پر ہے ۔ مسلمانوں میں بھی نقد، سونا اور قیمتی سامان لڑکیوں کو دینے کا رواج ہے ۔ یہ عرب تو کچھ مطالبہ نہیں کرتے ، بلکہ بطور مہر ایک خطیر رقم دیتے ہیں ۔ اس بنا پر عرب شادیاں برابر جاری ہیں ۔ اس طرح غریب طبقہ اس طرز کی شادیوں سے متاثر ہوتا ہے اور ان میں کشش محسوس کرتا ہے ۔ کبھی کبھی پورا خاندان اس رشتہ کی بنا پر اپنی حیثیت بلند کر لیتا ہے ۔

عربوں کا تعلق اس سرزمین سے بہت قدیم ہے، حتی کہ کالی مرچ کا ذکر عہدِ جاہلی کے مشہور شاعر امرؤ القیس کے یہاں ملتا ہے، جب کہ وہ ہرنیوں کی مینگنیوں کو کالی مرچ سے تشبیہ دیتا ہے اور کہتا ہے :

ترى بعر الآرام في عرصاتها          وقيعانها كأنّه حبّ فلفل

(تم ہرنیوں کی مینگنیاں میدانوں میں اس طرح دیکھو گے گویا وہ کالی مرچ ہے)

چوں کہ عربوں کا تجارتی تعلق اس سرزمین سے بہت قدیم ہے، اس بنا پر

جب اسلام کا نور جزیرۃ العرب پر چمکا تو اس کی کرنیں کیرالا پر بھی پڑیں اور یہاں کے لوگ اس سے مستفید ہوئے۔ مگر اسلام یہاں تلوار سے نہیں، بلکہ تاجروں کے ذریعہ پھیلا۔ اس علاقہ میں مسلمانوں کی حکومت کبھی نہیں رہی۔ مغل یہاں تک نہیں پہنچے۔ البتہ صرف چند برس حیدرعلی اور سلطان ٹیپو نے یہاں حکومت کی، مگر اس زمانہ میں بھی کوچین پر ان کا اقتدار نہ تھا، کوچین ہی ایک ایسا علاقہ ہے جہاں مسلمانوں نے کبھی حکومت نہیں کی۔

یہاں اسلام پھیلنے کے بارے میں کئی طرح کے قصے مشہور ہیں جو عوامی روایتوں پر زیادہ منحصر ہیں، مگر تاریخی استناد کے فقدان کے باعث ان کو من وعن تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ان سب کے تحلیلی مطالعہ سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو پھیلانے کی کوشش اس دیار میں کی گئی ہے اور بہت ممکن ہے اس سلسلہ کے واقعات صحیح ہوں جن پر امتدادِ زمانہ کے باعث گردوغبار پڑ گیا ہے۔

## ماپلاّ مسلم:

کیرالا میں مالابار کے علاقہ کے مسلمان ماپلا یا ماپلاّ کہلاتے ہیں، جس کے معنی ملایالم زبان میں شریف، خائق یا دولھا کے ہیں مگر یہ تاویل مسلّم نہیں ہے۔ جب کہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ دراصل لقب مہاپلا ہے جو ان مسلمان بحری محافظوں کو دیا گیا تھا جو سمندر کی حفاظت کرتے تھے۔ شمالی کیرالا میں مسلمان اور جنوب کیرالا میں عیسائی ماپلا کہلاتے ہیں۔ ماپلاّ دراصل اسی سرزمین کے باسی ہیں، مگر دوسرا طبقہ مسلمانوں میں تھنگل کہلاتا ہے۔ تھنگل عزت کا لقب ہے جو بڑے اور مقدس آدمی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عرب قبائل خصوصاً قریش اور بنی ہاشم کے افراد جو اس علاقہ میں آکر بس گئے یعنی ''سید'' انہیں کو تھنگل کہا جاتا ہے جن کی عوام بڑی عزت کرتے ہیں۔ ان کے عربی ناموں کے ساتھ کچھ ملایالم الفاظ بھی مل جاتے ہیں۔

لفظ ماپلاّ کی تشریح بھی مورخین نے بالکل مختلف کی ہے۔ عام نظریہ یہ ہے کہ

مغربی ساحل پر ہندوستان میں ہر سال عرب تجارت کے لیے آتے ہیں۔ کیرالا کے ساحل پر انھیں عربوں نے اپنی مخصوص بستیاں بنالی تھیں۔ ان علاقوں میں غیر ملکی جوگروہ درگروہ تجارت کے لیے آئے تھے، رہنے لگے۔ ان کو اپنے ہم زبانوں کے ساتھ رہنے میں آسانی ہوتی تھی۔ اسی بنا پر ان کی بستیوں کے لیے لفظ ''محفلہ'' استعمال کیا گیا۔ ان کی کالونیاں محفلہ کہلائیں۔ کثرتِ استعمال سے یہ لفظ ماپلا بن گیا، جس کی اصل محفل ہے اسی بنا پر جو عیسائی بستیاں جنوبی کیرالا میں ہیں ان کو بھی محفلہ کہا گیا ہے اور وہ بھی ماپلا کہلاتے ہیں۔

یہ تاویل دل کو اپیل نہیں کرتی۔ محفلہ خالص عربی کا لفظ ہے جس میں سے ح، الف سے اور ف، پ سے بدل گیا ہے۔ علاوہ ازیں اکثر اس لفظ کو مشدّد پڑھا جاتا ہے، یعنی ماپلاّ۔ ایسی صورت میں یہ تاویل اور زیادہ بعید ہوجاتی ہے۔

## تاجروں کے ذریعہ اسلام کی اشاعت:

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عربوں کی تجارت اور ان کے اس دیار میں قیام نے عربی زبان کو رائج کیا اور اسلام کو مقبول بنایا۔ وہ تجارت کی غرض سے پابندی سے یہاں آتے ہیں اور اکثر یہ لوگ یہاں آکر عارضی شادیاں بھی کر لیتے ہیں۔ ان سے اولاد بھی ہوتی ہے۔ یہ عرب خون رکھنے والے لوگ آگے چل کر تجارتی ایجنٹ بن جاتے ہیں جو اپنے والد کے کاروبار کے لیے کیرالا میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کالی مرچ، لونگ، الایچی، مسالے اور ہاتھی دانت وغیرہ خرید کر رکھ لیتے ہیں اور جب عرب آتے ہیں تو ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس طرح عربوں کو فصل کے وقت سستے داموں پر سودا مل جاتا ہے اور چوں کہ خود یہاں کے لوگ عربوں سے عزیز داری کا تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ان کو بھی نفع ہوتا ہے۔ اس طرح ہوسکتا ہے کہ یہی لوگ اسلام بھی دوسروں سے قبل لائے ہوں۔ آج بھی ''مچھیرے'' کیرالا میں اکثر مسلمان ہیں۔ اور کیرالا کے آس پاس کے سارے جزیروں میں صرف مسلمان آباد ہیں۔ اکثر مؤرخین

لکھتے ہیں اور بات صحیح بھی ہے کہ اسلام پھیلنے میں ہندو مذہب کے اندر ذات پات اور چھوت چھات کو دخل ہے، اس لیے کہ اسلام لاتے ہی آدمی اپنے معاشرہ میں مساوی حقوق حاصل کر لیتا ہے جو اسے کسی دوسرے مذہب کو قبول کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

## صوفیہ اور اشاعتِ اسلام:

کیرالا میں اسلام دراصل صوفیوں، مبلغوں اور تاجروں نے پھیلایا مگر صوفیوں کے نام ہم کو معلوم نہیں، وہ زیادہ تر تاریخ کے کہر میں گم ہیں۔ پھر بھی مالابار کے علاقے میں ''مالا'' کے نام سے صوفیانہ نظمیں گائی جاتی ہیں جن میں ان اولیا کی کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان سے بھی واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے علما کے دلوں پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ ابن بطوطہ نے کیرالا کے علاقہ میں قیام کیا تھا۔ اس نے یہاں کے کئی صوفیوں کا ذکر اپنے سفرنامہ میں کیا ہے۔ وہ یہاں ۱۳۴۲ء تا ۱۳۴۵ء کے درمیان آیا تھا۔ وہ کالی کٹ شہر میں ایک صوفی شیخ شہاب الدین قزارن (Quzarun) سے ملا تھا اور اس نے قاضی فخر الدین سے بھی ملاقات کی تھی جو شہاب الدین کے بیٹے تھے۔ ایک مقام اڑملا میں بھی اس کی ملاقات ایک صوفی سے ہوئی تھی۔ ان بیانات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان علاقوں میں صوفی پھیلے ہوئے تھے۔ مگر اس سلسلہ میں کوئی معتبر کتاب نہیں لکھی گئی، جس سے صحیح تصویر ابھر سکے۔ بہر حال اس کے بعد ایک صوفی جلال الدین بخاری ۹۰۰ھ مطابق ۱۴۹۴ء میں بلیا پٹم (Baliapatam) آئے۔ ان کی اولاد پانچویں پشت میں سید محمد مولا مشہور ہیں جو جزیرہ کواراتی (Kavarati) میں لکشادیپ میں رہتے تھے۔ یہ مشہور ہے کہ انہی کی کوششوں سے پورا جزیرہ لکادیپ و مالدیپ مشرف بہ اسلام ہوا۔ دسویں صدی میں ایک اور صوفی پروئل شیخ عبد القادر تھانی (Al-thani) تشریف لائے اور تبلیغ کا فرض انجام دیا۔ انھوں نے مکہ شریف میں محمد بکری (۸۶۸ھ تا ۹۵۲ھ) سے ملاقات کی تھی۔

## تبلیغی کوششیں:

اسلام اس علاقہ میں اگر چہ تاجروں کے ذریعہ پھیلا، مگر تبلیغی کوششوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ سب سے پہلا قصہ تو یہ مشہور ہے کہ کڈنگالور کا بادشاہ پیرومل مسلمان ہوگیا۔ اس نے معجزۂ شق القمر دیکھا، آں حضرت ﷺ کے حالات سنے تو وہ سلطنت چھوڑ کر مکہ روانہ ہوگیا اور پھر وہاں سے وہ واپس نہیں آیا۔ یہ قصہ عوام میں اب تک مشہور ہے، مگر تاریخی طور پر مضبوط ثبوت اس سلسلہ میں مؤرخ تاریخ فرشتہ کی شہادت ہے۔ اس کا انتقال شحر میں ہوا۔ وہاں اس کی قبر موجود ہے۔

ایک دوسرا مورخ جن کا تعلق جدید دور سے ہے وہ بالا کرشنن پلائی کہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ جس طرح آں حضرت ﷺ نے تمام امراء اور ملوک کو خطوط لکھے اسی طرح آپ نے کالی کٹ کے راجہ کو بھی خط لکھا جس کی وجہ سے وہ مسلمان ہوگیا۔ مگر آں حضرت ﷺ کے تمام خطوط، جو آپ نے لکھے تھے، سب موجود ہیں، ان میں کوئی خط ایسا نہیں جو اس تخیل کی موافقت کرتا ہو۔

بہرحال اس بات پر تمام مؤرخین متفق ہیں کہ ایک بادشاہ چرامن پیرومل (Charaman Paromal) مسلمان ہوگیا تھا، مگر اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ دور، جس میں اسلام لایا آں حضرت ﷺ کا دور تھا۔ یہ دوسری صدی ہجری کا واقعہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت، جو لنکا جارہی تھی، وہ پیرومل کے یہاں آگئی۔ وہ ان لوگوں سے متاثر ہوا۔ وہ اس پارٹی کے ایک شخص شیخ الدین سے متاثر ہوا۔ اس نے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ وہ اس جماعت کے ساتھ عرب جائے گا، چناں چہ اس کی تیاریاں ہوگئیں۔ بادشاہ پہلے ''کولم'' (Pandalavini Kollam) گیا، وہاں سے دھرمادم (Dharmadam) پہونچا۔ اس کے قریب ایک علاقہ ہے جو اب تک عوام میں پویاناڈو (Poya Nadu) کے نام سے مشہور ہے، جس کا مطلب ہے ''وہ جگہ جہاں سے سفر کیا گیا'' یعنی جس جگہ سے بادشاہ نے اپنا سفر شروع کیا۔ بادشاہ وہاں سے

چل کر ساحل عرب پر رکا، جس کا نام شحر (Shahr) ہے۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ نے حج بھی کیا ہوگا اور مکہ ومدینہ کی زیارت بھی کی ہوگی اور وہاں کے دینی فضا سے مستفید ہوا ہوگا۔ ورنہ عرب جاکر محض ساحل پر رہ جانا بے معنی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ لوٹ کر پھر مالابار واپس آئے گا اور ایک اسکیم کے تحت مختلف مقامات پر مساجد بنائے گا اور اسلام کی تبلیغ کرے گا مگر وہ بیمار پڑ گیا اور جب بچنے کی امید نہ رہی تو اس وقت اس نے اپنے سرداروں کو، جو اس کے ساتھ گئے تھے، زمینیں عطا کیں اور ہدایت کی کہ ان جگہوں پر مساجد قائم کریں۔ اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

اس سلسلہ میں ایک تفصیلی قصہ اس طرح ہے کہ دھرما پٹنم، جو اب دھرمادم کہلاتا ہے اور ٹلیچری سے ملحق ہے، وہاں ایک راجہ تھا۔ اس کا خاندان مدتوں حاکم رہا۔ اس خاندان کا نام اراکل شاہی خاندان (Arrakal Royal Family) ہے۔ در اصل یہی مسلم خاندان ہے جو مالا بار کے ایک علاقہ پر حکومت کر سکا۔ اس کا علاقہ دھرمادم سے کینانور تک تھا، مگر سمندر میں اس کی حکومت میں لکشا دیپ (لکادیپ) بھی شامل تھا۔ آخر میں انگریزی دور تک اس کے پاس دھرمادم اور کینانور کا بیچ رہ گیا تھا جو آزادی کے بعد ان کا محل ہے جو علی راجہ کہلاتے ہیں مگر حکومت باقی نہیں رہی۔

کلانڈو ملّر (Kolondu Miller) چرامن پیرول کے متعلق اپنی مشہور کتاب ماپلا مسلمس آف کیرالا میں لکھتا ہے کہ ’’ماپلا کی اصلیت میں کوئی بحث مکمل تصور نہیں کی جا سکتی جب تک کہ چرامن پیرول کے متعلق روایتوں کا استقصا نہ کیا جائے۔ یہ بادشاہ کیرالا کے درمیانی حصہ میں حکم رانی کرتے تھے۔ پیرول حکم رانوں نے ایک وسیع علاقہ پر غالباً چیرا بادشاہوں کے نام سے حکومت کی اور وہ کئی سلطنتوں میں بٹ گئی۔

پیرول کے متعلق روایتوں میں کہا جاتا ہے کہ آخر میں اس خاندان نے اپنا مذہب تبدیل کر دیا۔ تبدیلیٔ مذہب اس طرح شروع ہوئی کہ چرامن پیرول جو کڈنگالور (Kodungalur) پر حکومت کر رہا تھا۔ اس نے ایک غیر معمولی اہمیت کا خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک نیا چاند مکہ مقام پر طلوع ہوا اور دو ٹکڑے ہو گیا۔ نصف

آسمان پر رہا اور نصف زمین پر آرہا۔ اس کے بعد چاند کے دونوں حصے پھر سے جڑ گئے اور پورا چاند نظر آنے لگا۔ اس کے چند ماہ بعد عرب مسلمانوں کی ایک پارٹی حضرت آدم کے قدم کی زیارت کے لیے لنکا جارہی تھی۔ وہ راستہ میں کڈنگالور میں ٹھہری۔ اس موقع پر مسلمانوں نے راجہ پیرومل سے یہ قصہ بیان کیا کہ کس طرح محمد رسول اللہ (ﷺ) نے معجزۂ شق القمر دکھا کر کافروں کو مسلمان کیا۔ یہ حالات سن کر پیرومل نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی مسلمان ہوجائے گا۔ اس نے خفیہ طور پر یہ پروگرام بنایا کہ وہ خود مسلمان ہوجائے گا اور جب یہ پارٹی حضرت آدم کے نشانِ قدم کی زیارت کر کے واپس لوٹے گی تو اس وقت وہ خود ان لوگوں کے ساتھ مکہ روانہ ہوجائے گا۔ اس نے حکومت کی ذمہ داریاں مقامی گورنروں اور چھوٹے راجاؤں کے ذمہ کیں۔ اس نے سب کام باقاعدہ لکھ کر کیا۔ اس نے یہ تاثر پیدا کیا کہ وہ مکہ سے لوٹ کر جلد دار الحکومت واپس آجائے گا۔ اس نے اپنا نام عبد الرحمٰن سمیری رکھا۔ اس نے یہ پلان بنایا کہ وہ لوٹ کر مالابار میں مساجد قائم کرے گا، مگر اس اثنا میں وہ سخت بیمار پڑ گیا۔ اس لیے اس نے اپنے دوستوں سے یہ استدعا کی کہ وہ اس کے وطن جاکر وہاں ''چوتھی وید'' کی اشاعت کریں (ماپلا قرآن کو چوتھی وید کہتے ہیں، پہلی وید توریت، دوسری زبور اور تیسری انجیل ہے)۔ کہتے ہیں کہ پیرومل مر گیا۔ وہ ظفر (Zupher) کے مقام پر ۸۲۲ء میں عرب کے ساحل پر دفن کیا گیا۔

بادشاہ کا مشنری گروپ حضرت مالک بن دینارؒ کی سرکردگی میں مالابار آیا، جس میں خود ان کا خاندان اور تین اصحاب اور شامل تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ پیرومل کے انتقال کے آٹھ برس بعد مالابار آئے اور انھوں نے یہاں کے حاکم کو اس کا خط دیا، مگر انھوں نے اس کی موت کا معاملہ خفیہ رکھا۔ یہاں کے حاکموں نے اس گروہ کا استقبال کیا۔ انھوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے پورے علاقہ کا سفر کیا۔ انھوں نے نو (یا دس) مسجدیں تعمیر کیں۔ مالک بن دینار نے ان مساجد میں اپنے خاندانوں کے افراد میں سے مناسب اشخاص کو قاضی مقرر کیا اور پھر وہ عرب واپس چلے گئے۔

ایک دوسری روایت یوں بیان کی جاتی ہے کہ پیرومل کا خواب خود آں حضرت ﷺ کے زمانہ کا ہے، جب کہ معجزۂ شق القمر کا واقعہ پیش آیا تھا۔ بادشاہ خود مکہ گیا، اس نے آں حضرتؐ سے ملاقات کی اور اسلام لایا۔ اس کا نام تاج الدین تھا۔ اس کا مکہ میں ۶۲۴ء میں انتقال ہوا۔ بہرحال اس میں درحقیقت پہلی ہی روایت کا عکس نظر آتا ہے۔ آج کل کے ماپلا اسی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ چرامن پیرومل کی کہانی پر کافی لوگوں نے بحث کی ہے۔ اس سلسلہ میں نظریات بڑے متضاد ہیں۔ ایک مؤرخ کہتا ہے کہ یہاں کچھ معقول دلائل نظر آتے ہیں کہ یہ روایت اسلام کو مالابار میں روشناس کرانے میں معتبر ہے۔ مگر دوسرا انتہا پسند نظریہ ہے کہ یہ مسلمانوں کی ایک ''مقدس ایجاد'' ہے۔ مگر ایک اعتدال پسند مؤرخ لکھتا ہے کہ ''ہم کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس روایت میں کچھ صداقت ضرور ہے''۔ کیرالا کے معروف مؤرخ کے پی پڈمانا بھامنن کا اصرار ہے کہ ان روایتوں کی اہمیت عوامی اور اسطوری ہے، یہاں کوئی ایسا تاریخی واقعہ نہیں ہے جو ان روایتوں کی تصدیق کر سکے اور نہ کوئی ایسی موروثی دستاویز میسر ہے جس کو اس کے خلاف یقینی تصور کیا جا سکے۔ واقعہ یہ ہے کہ چیرا (CHERAS) خاندان کی حکومت نویں صدی عیسوی سے ۱۲ ویں صدی تک رہی، اس کے بعد اختتام کو پہنچی۔ مزید تفصیلی حالات ابھی پردۂ خفا میں ہیں۔

چوں کہ پیرومل خاندان کی حکومت اچانک نویں صدی عیسوی میں ختم نہ ہوئی ہوگی، اس بنا پر انّس (INNES) نے یہ نظریہ قائم کیا کہ ایک خاندان جو کرنگا نور (CRONGANAORE) پر حکومت کر رہا تھا وہ اس وقت ختم ہو گیا جب کہ پیرومل نے اسلام قبول کیا۔ غالباً کیرالا پوتھی (KERALAPOTHI) کے مطابق راجہ پیرومل مکہ چلا گیا اور جانے سے قبل اس نے سلطنت کو گورنروں اور خاندان کے افراد کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ جب واپس ہونے لگا تو ''سرس مقلا'' (SHARS MUQALA) کے مقام پر پہونچ کر اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ساتھ جو افراد گئے تھے انھوں نے اس کی موت کا حال اس کی بہن سری دیوی کو بتایا۔ انھوں نے اس کو

اسلام کی دعوت بھی دی۔ راجہ پیرومل کا بیٹا مہابلی جو بعد میں محمد علی کے نام سے معروف ہوا اور پھر پورا خاندان ''علی راجاز'' بن گیا، دراصل وہ شروع ہوتا ہے اسی محمد علی سے جو پیرومل کا لڑکا تھا اور جس کا ثبوت ان کاغذوں سے بھی ملتا ہے جو کینا نور میں علی راجاز خاندان کے پاس آج بھی محفوظ ہیں۔ لفظ ''علی راجاز'' کی دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ دراصل اڈی راجا تھا، اڈی کا مطلب سنسکرت میں سمندر کے ہیں، یعنی سمندر کا راجا اور پھر اس کے بعد ۱۴ویں صدی میں پیرومل کے وارث نے اپنی حکومت قائم کرنے اور اپنا اقتدار جمانے کی کوشش کی، مگر وہ زمورن کے حملوں کی تاب نہ لاسکا جس کو مسلمانوں اور عربوں کی طاقت وہمدردی حاصل تھی۔

آخر میں یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ مسلمان اسلام کے آغاز میں اس سرزمین پر پہونچ گئے۔ پرامن آمدورفت اور معاشی رشتوں نے عربوں کو کیرالا سے قریب کردیا۔ اسلام کو ایک نیا میدان مل گیا، جہاں عربوں کی کالونیاں موجود تھیں، پھر مذہبی آزادی اور مقامی عوام اور حکومت کی دریا دلی نے اسلام کی تحریک کو تقویت عطا کی۔ یہ باہمی تعلقات ترقی کرتے رہے۔ باوجود تمام نسلی اور قومی اختلافات کے جب عرب اور ملایالی خون کے امتزاج سے ایک نئی نسل پیدا ہوئی تو اس میں ہندوستان اور عرب دونوں تہذیبوں کا گنگا جمنی رنگ نظر آنے لگا۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ علی راجا خاندان اس طرح وجود میں آیا کہ ایک شہزادی جس کا تعلق کلاتھیری (KOLATHIRI) خاندان سے تھا، جس کا پایۂ تخت چیراکل (CHIRAKKAL) تھا، وہ دریا میں نہاتے وقت بہہ گئی۔ اس کو ایک نوجوان محمد علی نے بچایا۔ وہ پانی میں کود گیا اور اس کو باہر نکالنا چاہا، مگر وہ لڑکی کمر بھر پانی تک آکر رک گئی۔ تب محمد علی نے سمجھ لیا کہ وہ برہنہ ہے۔ لہٰذا اس نے اپنا عمامہ، جو کافی لمبا تھا، اس کو دے دیا۔ اس کے بعد اس لڑکی کے والد اور چچا وہاں پہنچ گئے۔ لڑکی نوجوان کی طرف مائل ہوگئی اور اس نے کہا کہ اس نے میرا ہاتھ بھی پکڑا اور نئے کپڑے بھی دیے۔ لہٰذا یہاں کے رواج کے مطابق میری شادی اس سے ہوگی۔ کولا

تھاری نے محمد علی کو وزیر بنالیا اور اس طرح علی راجا کا خاندان وجود میں آیا۔

کینا نور کے راجا وزیر رہے ہوں یا بادشاہ، بہر حال ان کے اثرات مالابار کے سماج پر ضرور مرتب ہوئے ہیں۔

## حضرت مالک بن دینارؒ کا تبلیغی مشن:

اس علی راجا کے خاندان کے علاوہ ایک اہم واقعہ وہ ہے جو حضرت مالک بن دینارؒ کے تبلیغی مشن سے تعلق رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مالک بن دینار نے ایک پارٹی کے ساتھ مالابار کا سفر کیا اور یہاں دس مسجدیں بنائیں جو کوڈنگا نور، کلم، پنڈلایانی، چالیم، دھرمادم، سری کندا پرم، اڑمالا، کاسر گوڈ، فنگلورس اور پکانوا میں قائم ہیں۔

انھوں نے یہاں پر تبلیغی مراکز بنائے۔ ان کی تبلیغی مساعی کا اثر خاطر خواہ ظاہر ہوا اور عوام الناس میں اسلام مقبول ہونے لگا۔ حضرت مالک بن دینارؒ کی قبر کاسر گوڈ میں سمندر کے کنارے موجود ہے۔ اس کے قریب ہی ایک مسجد، یتیم خانہ اور اسپتال انہی کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہؓ اور تابعینؒ ان علاقوں میں تشریف لائے اور ان کے اثرات بھی مرتب ہوئے ہیں۔ قاضی اطہر مبارک پوری اس سلسلے میں رقم طراز ہیں کہ:

> ''مالک بن دینارؒ کے ساتھ جو لوگ مالابار آئے ان میں ان کے دس بیٹے اور بیوی شامل ہیں۔ ان دس بیٹوں کے نام صاحب تحفۃ المجاہدین نے یہ بتائے ہیں: حبیب، محمد، علی، حسین، تقی الدین، عبدالرحمٰن، ابراہیم، موسیٰ، عمر اور ہمام۔ ان کے ساتھ پانچ بیٹیاں فاطمہ، عائشہ، زینب، حلیمہ اور منیرہ تھیں۔ وہ سب سے پہلے کوڈنگا نور ٹھہرے اور یہیں سے کام شروع کیا، مساجد بنانے کے ساتھ انھوں نے قاضی بھی مقرر کیے۔ اس کے بعد مالک بن دینارؒ اور حبیب بن مالک عرب واپس گئے۔ راستے میں انھوں نے ''شحر'' میں پیرومل کی قبر بھی دیکھی۔ حبیب لوٹ کر مالابار آگئے اور کینا نور

میں ہمیشہ کے لیے بس گئے''

اس بیان سے ایک بات اور واضح ہوتی ہے کہ حضرت مالک بن دینار نے مسجد وہیں بنائی ہوگی جہاں مسلم آبادی پہلے سے رہی ہوگی اور اسی بنا پر قاضی بھی مقرر کیے۔ علاوہ ازیں جن دس جگہوں کو انھوں نے تعمیر مساجد کے لیے چنا ان میں باہم بہت طویل فاصلہ ہے۔ مثلاً کڈنگانور سے کاسرگوڈ کا فاصلہ بہت زیادہ ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ مساجد وہیں بنائی گئیں جہاں پہلے کچھ کام ہوا تھا اور کچھ مسلم آبادی تھی۔

شیخ زین الدین مخدوم کا نظریہ یہ ہے کہ عام طور پر اسلام مالابار میں دوسری صدی ہجری میں پھیلا۔ چناں چہ مسٹر لاگن جو ضلع مالابار کا انگریز کلکٹر تھا وہ بھی اس رائے کی تائید کرتا ہے۔

شیخ زین الدین نے حضرت مالک بن دینارؒ کی آمد کا ذکر کیا اور لکھا ہے کہ پھر وہ اور ان کا بیٹا حبیب بن مالک واپس چلے گئے۔ بیٹا تو دوبارہ واپس آ گیا، مگر وہ خراسان چلے گئے۔

یہاں دو باتیں قابل ذکر ہیں کہ اگر حضرت مالک بن دینارؒ خراسان چلے گئے تو پھر کاسرگوڈ میں ان کی قبر کیسی ہے؟ پھر انہی کی قبر مدراس سے چند میل دور بتائی جاتی ہے۔ یہ اور اس طرح کے کئی شبہات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ امتدادِ زمانہ سے صحیح واقعات پر بھی گرد و غبار جم جاتا ہے، پھر ان واقعات کی مذہبی اہمیت اور ان کا تعلق بادشاہِ وقت سے ہونے کے باعث حقیقی واقعات میں افسانے کا رنگ پیدا ہوجانا مستبعد نہیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام کی اس دیار میں آمد سے اسلام پھیلنا شروع ہوگیا تھا اور دھیرے دھیرے اس کے اثرات بڑھتے رہے۔ ۱۵ویں صدی عیسوی تک اسلام کے دو بڑے مراکز کیرالا میں وجود میں آئے۔ ایک شہر کالی کٹ جہاں قاضیوں کا خاندان اسلام کی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور دوسرا خاندان ''مخدوم'' کے نام سے موسوم ہوا،

جس نے پنّائی کو مرکز بنایا اور اسلام کی خدمت کی ۔ اس خاندان کے مختلف افراد نے کئی صدیوں تک تصنیف و تالیف ، شعروشاعری اور تصوف وسلوک کے ذریعہ دین وادب کی زبردست خدمات انجام دیں۔

## سامری کی تاریخ؟

شیخ زین الدین معبری نے اپنی کتاب ''تحفۃ المجاہدین'' میں لکھا ہے کہ سامری کی تاریخ ہمارے نزدیک محقق نہیں ہے ۔ ظن غالب یہ ہے کہ یہ واقعہ دوسری صدی ہجری کے بعد پیش آیا ہے،لیکن جو واقعہ مسلمانان مالابار میں مشہور ہے کہ زمورن (سامری) آں حضرت (ﷺ) کے زمانہ میں اسلام لایا ، جب کہ اس نے رات میں معجزۂ شق القمر دیکھا۔ پھر وہ آں حضرتؐ کی طرف خود گیا اور آپؐ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد ''شحر'' واپس آیا ، وہاں سے وہ ایک جماعت کے ساتھ مالابار کے لیے روانگی کا قصد کر رہا تھا کہ وہیں اس کا انتقال ہوگیا۔

ان تمام باتوں میں تقریباً سب ہی ناقابلِ اعتبار ہیں۔ سامری زمورن کی تعریب ہے ۔قدیم زمانہ میں ہندوستان میں ایک شاہی خاندان ''چرومن پیرومل'' تھا جو ملک مالابار پر حکومت کرتا تھا۔ مذکورہ بالا سامری ان بادشاہوں میں سے ایک تھا۔

بہرحال ان طبقوں سے حقیقت اور افسانہ دونوں میں امتیاز قدرے آسان ہوجائے گا ۔عربوں کا تجارتی تعلق اسلام کی وسیع پیمانہ پر اشاعت ،عربی کا رواج اور مسلمانوں کی تہذیب اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس سماج پر اسلام کے اثرات بہت قدیم ہیں اور براہ راست عربوں نے ان کو متاثر کیا ہے ۔ ان کے یہاں نام بھی وہی انداز رکھتے ہیں جو عربوں میں ہیں،یعنی :احمد ،محمد ،عمر ،ابوبکر اور عبداللہ وغیرہ۔

## ابتدائی تاریخ کے بارے میں بعض آراء:

البتہ قاضی اطہر مبارک پوری نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ہندوستان کے کسی بادشاہ نے آں حضرت کو ایک گھڑا بھر کر زنجبیل (ادرک) روانہ کی تھی ۔ ابوسعید خدریؓ فرماتے

ہیں کہ حضور اس کو صحابہؓ کو کھلاتے تھے اور مجھ کو بھی کھلایا۔ کتاب الذخائر والتحف کے مصنف قاضی رشید بن زبیر کے حوالہ سے قاضی اطہر مبارک پوری فرماتے ہیں کہ شاید یہ تحفہ بنگال کے بادشاہ نے آں حضرت کو روانہ کیا ہو کہ بنگال میں ایسے تحفے دیے جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ عربوں کی پوری تاریخ میں بنگال سے تعلقات کا پتہ نہیں چلتا۔ درحقیقت جنوبی ہند اور خصوصاً کیرالا کے ساحل عربوں کی جستجو کی آماج گاہ تھے۔ زنجبیل (ادرک)، ناریل اور ڈلی کے باغوں کی کثرت تھی، اس لیے کہ وہ سایہ میں پیدا ہونے والی چیز ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہ تحفہ چیرامن پیرومل کے شاہی خاندان کے ذریعہ خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا ہو۔ درحقیقت قاضی اطہر مبارک پوری نے اپنی توجہ شمالی ہند پر مرکوز کی ہے۔ بہر حال بزرگ بن شہر یار نے اپنی کتاب عجائب الہند میں یہ اعتراف کیا ہے کہ لنکا کے لوگوں نے آں حضرتؐ کے ظہور کی خبر سن کر ایک ہوشیار شخص کو حقیقتِ امر دریافت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جب وہ مدینہ پہونچا تو آں حضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ دونوں گزر چکے تھے، حضرت عمرؓ کا دور تھا۔ اس شخص نے حضرت عمرؓ کے پیوند دار کپڑے دیکھے اور مسلمانوں سے متاثر ہوا، مگر وہ دانش مند شخص جب واپسی میں مکران پہونچا تو اس کا انتقال ہو گیا، اس کے غلام نے لنکا والوں کو صحیح صورتِ حال سے واقف کرایا۔

## خاندانِ مخدومین:

پندرہویں صدی کے نصف آخر میں پنّانی (Punnani) اسلامی تبلیغ اور اصلاح کا اصل مرکز قرار پایا، اس لیے کہ وہاں کا مشہور خاندان جو ''مخدوم'' (Makhdums) کہا جاتا ہے وہاں آکر آباد ہو گیا۔ مخدوم اول کا نام زین الدین بن علی معبری تھا۔ یہ لوگ معبر سے کوچین اور کوچین سے پنّانی آکر بس گئے تھے۔ معبر کے بارے میں اہلِ نظر میں بڑے اختلافات ہیں۔ بعضوں کا خیال ہے کہ معبر ایک علاقہ ہے یمن میں جہاں یہ مخدوم آئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ معبر کائل پٹنم اور کیلا کارا کے

علاقہ کو کہتے ہیں۔ بعض یہ تصور رکھتے ہیں کہ معبر خود کیرالا میں کوئی جگہ تھی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جو علاقہ تامل ناڈو میں کورومنڈل (Coromandal) کہلاتا ہے یہ عرب سے، پہلے وہاں آئے، پھر وہاں سے کوچین اور کوچین سے پنّانی۔ بہ ظاہر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ یہ خاندان یمن سے کائل پٹنم آیا، وہاں سے مدورائی (Madurai) تنجاور (Tanjaur) ترچناپلی (Trichnapally) اور ناگور (Nagore) وغیرہ ہوتے ہوئے کوچین پہونچا۔ یہ سارے علاقے تمل ناڈ میں، مگر کیرالا سے قریب ہیں۔ کایل پٹنم اسی میں واقع ہے۔ یہ خاندان پندرہویں صدی عیسوی کے وسط میں پنّانی میں آباد ہوا۔ زین الدین ابراہیم بن احمد مصری کوچین سے پنّانی (Punnani) تشریف لائے اور انھوں نے اس شہر میں ایک جامع مسجد تعمیر کی جو آج پوری شان سے موجود ہے۔ یہاں انھوں نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا اور اس شہر میں علم کی وہ رونق پیدا ہوئی کہ اطراف وجوار سے لوگ علم دین سیکھنے کے لیے جمع ہونے لگے، حتی کہ اسی کو ''مکہ صغیر'' کہا جانے لگا۔ یہ شہر کیرالا کے مسلمانوں کی علمی وتہذیبی قدروں کا ترجمان ہے۔ ابن بطوطہ نے پنّانی شہر کی زیارت کی تھی، مگر چودھویں صدی عیسوی میں اس وقت مخدوم خاندان یہاں نہیں آیا تھا۔ اس شہر کو پرتگالیوں نے کئی بار فتح کیا۔ انھوں نے جامع مسجد کے ایک حصہ کو آگ لگا دی تھی۔ جو مسجد زین الدین کبیر نے ۹۲۶ھ مطابق ۱۵۱۰ میں بنائی تھی، وہ چار منزلہ تھی، لمبائی اس کی ۹۰ رفٹ اور چوڑائی ۶۰ فٹ تھی۔ مدرسہ کے کلاسز بالائی منزلوں میں منعقد ہوتے تھے۔

زین الدین تین گزرے ہیں: زین الدین ابراہیم بن احمد معبری کوچین میں قاضی تھے۔ وہ اپنے بھتیجے زین الدین بن علی بن احمد معبری کے ساتھ ''پنّانی'' آئے اور یہاں زین الدین بن علی قاضی مقرر ہوئے اور مخدوم کہلائے۔ یہ پہلے مخدوم ہیں۔ اسی بنا پر زین الدین الکبیر کے نام سے معروف ہیں۔ تیسرے زین الدین الغزالی ہیں۔ یہ ''تحفۃ المجاہدین فی احوال البرتغالیین'' کے مصنف ہیں۔

## پرتگالیوں کا حملہ:

اس علاقہ کی تاریخ میں اس واقعہ کو بہت اہمیت حاصل ہے جس میں مسلمانوں نے یورپی طاقتوں کا مقابلہ کیا تھا اور نتیجۂ ہزاروں مسلمان شہید ہوئے تھے۔اس کا تعلق پرتگالیوں کے مالابار پر حملہ سے ہے، جب کہ واسکوڈی گاما یہاں وارد ہوا تھا اور اس کا مقابلہ یہاں کے مقامی مسلمانوں ، یہاں کے راجہ زمورن اور نائروں نے مل کر کیا تھا۔ تحفۃ المجاہدین انہی جنگوں کی تاریخ ہے،مگر مصنف نے یہاں کی سماجی زندگی کے حالات بھی قلم بند کردیے ہیں۔

واس کوڈی گاما (Vas Ko De Gama) جو پرتگال کا باشندہ تھا، کپاڈ (KAPAD) کے مقام پر ۱۴۹۸ء میں پہونچا۔ یہ جگہ کالی کٹ شہر سے ۱۵ کلو میٹر دُور واقع ہے۔ وہ کالی کٹ آیا اور یہاں کے بادشاہ زمورن سے ملا۔ زمورن نے سوچا کہ تجارت کے لیے یورپی ممالک سے تعلقات بہتر ثابت ہوں گے، اس لیے کہ اس دور میں کالی کٹ تجارتی سامان خصوصاً مسالوں کی برآمد کا بڑا مرکز تھا۔ یہاں عرب ، ایران، چین اور مصر وغیرہ سے بہت جہاز آتے تھے اور کالی مرچ ، مسالے، ہاتھی دانت اور دوسری چیزیں لے جاتے تھے۔ واس کوڈی گاما نے یہ پلان بنایا کہ زمورن کی مدد حاصل کرکے عربوں کو سمندر کی بالادستی سے بے دخل کردے اور خود اپنی قوم کو اس عظیم طاقت کا مالک بنادے۔ اس زمانہ میں بھی جب کہ صدیوں سے سمندر پر عربوں کا قبضہ تھا۔ جب زمورن نے اس کی مدد کرنے سے انکار کردیا تو وہ کوچین چلا گیا اور وہاں اس نے ایک فیکٹری بنالی ، پھر اس نے کینا نور میں ایک قلعہ بنایا جس کو FORT ANGELO کہا جاتا ہے۔ اس طرح اس نے یہ کوشش کی کہ زمورن کی طرف آنے جانے والے جہازوں کو پریشان کرے۔

دراصل واس کوڈی گاما زمورن کی تجارت معطل کردینا چاہتا تھا۔ اس نے یہ شرط رکھی کہ جتنے جہاز بحرِعرب سے گزریں ان کو پرتگالیوں سے اجازت نامہ لینا

چاہیے۔زمورن جو درحقیقت اس علاقہ کا بادشاہ تھا اور یہ اس کی حکومت میں تصرف اور اس کے علاقہ پر طاقت کے قبضہ کا اعلان تھا۔ اس نے واس کو ڈی گاما کے اس اقدام کو ناپسند کیا اور امیر البحر کنہا علی مرک کار کو مقابلہ کا حکم دیا، لیکن وہ پرتگیز یوں کی بحری طاقت کا مقابلہ نہ کر سکا اور کوچین میں اس کے کئی جہاز غرق ہوگئے ۔ اس وقت اس نے اپنا مستقر پُنّانی کو بنایا جہاں بڑی مسلم آبادی تھی ۔ پھر وہ زمورن کی خدمت میں حاضر ہوا، زمورن نے اس کو مزید اختیارات دے کر پرتگالیوں کے مقابلہ کا حکم دیا۔

دریائے ارنگال (IRINGAL) جو کالی کٹ سے ۲۵ میل شمال میں واقع ہے،اس کا میدان اور آس پاس کے علاقے زمورن نے کنہا علی مرک کار کو عطا کیے اور حکم دیا کہ ایک قلعہ تعمیر کیا جائے ۔ جب وہ قلعہ تیار ہوگیا تو زمورن کے دل میں یہ خدشہ پرتگالی جاسوسوں نے پیدا کر دیا کہ اس قلعہ سے خود اس کی پوزیشن کمزور ہوگئی ہے۔اس لیے کہ اگر کبھی کنہا علی بغاوت کرنا چاہے تو بادشاہ اس قلعے کے باعث اس پر قابو حاصل نہیں کرسکتا۔کالی کٹ کے ایک پرتگالی پادری نے بادشاہ زمورن کے دل میں اس خیال کو اور پختہ کر دیا۔اس کے نتیجہ میں بادشاہ نے کنہا علی مرک کار کے مقابلہ میں پرتگیز یوں کی مدد طلب کی ، حالاں کہ علی خود بادشاہ کا وفادار ملازم تھا۔یہ محض پرتگالیوں کی سازش اور وضع کردہ کہانیاں تھیں جنھوں نے بادشاہ کو بدظن کر دیا اور پرتگال کے ایجنٹ ہر طرف اسی قسم کی خبریں پھیلانے لگے ۔پھر جب انہی ایجنٹوں کی کوششوں سے بادشاہ زمورن نے پرتگالیوں سے مدد طلب کی تو دونوں نے مل کر کنہا علی پر حملہ کردیا۔اس حملہ میں دراصل شکست زمورن اور خود پرتگالیوں کی ہوئی ۔علی نے ان کے بہت سے جہاز غرق کرادیے۔ جب ان دونوں نے دوبارہ حملہ کرنا چاہا تو علی رابع نے زمورن سے کہلا بھیجا کہ اگر آپ ہماری جان اور ہمارے ساتھیوں کی حفاظت کا یقین دلائیں تو ہم سب بادشاہ کے فرماں بردار بن کر خدمت میں حاضر ہوجائیں گے ۔بادشاہ نے وعدہ کیا کہ وہ ان سب کی حفاظت کرے گا ،مگر جب علی اور اس کے ساتھی قبضہ میں آئے تو ان کو پرتگالیوں کے حوالے کردیا جنھوں نے علی کو ’’گوا‘‘ لے جا کر اس کا سر قلم کر دیا، پھر اس کو

کیرالا لا کر کینا نور میں ایک کھمبے پر لٹکایا۔ اس طرح ۱۶۰۰ء میں علی خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی عربوں کا بحری اقتدار بھی ختم ہوگیا اور ہندوستان کی تاریخ نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ پرتگالی جنھوں نے ایک صدی تک اپنے اقتدار کو قائم کرنے کی جدوجہد کی وہ غائب ہوگئے اور فرانس اور انگلستان کے جہازوں نے سمندر پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ اگر کنہا علی کو اس بے دردی کے ساتھ زمورن نے ختم نہ کردیا ہوتا اور اس کے اقتدار کو سمندر پر باقی رکھتا تو غالباً ہندوستان کی تاریخ آج کچھ اور ہوتی، اس لیے کہ اس صورت میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ پڑتی۔

مراجع:


- پی، پی، عبدالرحمٰن، ملایالم ذخیرۂ الفاظ اور گرامر پر عربی کے اثرات (انگریزی غیر مطبوعہ)
- لاگن، اے مینول آف مالابار
- کولانڈ ملر، ماپلا مسلمس آف کیرالا، مدارس، ۱۹۷۶ء
- زین الدین، تحفۃ المجاہدین فی احوال البرتغالیین
- قاضی اطہر مبارک پوری، العقد الثمین، بمبئی، ۱۹۶۸ء



## THE MUSLIM WORLD BOOK REVIEW

**The Comprehensive Guide to Literature on Islam and the Muslim world**

*The Muslim World Book Review* published since 1980 offers an indispensable and broad survey of academic writing on Islam and the Muslim world. It draws upon a wide range of multidisciplinary expertise and insight from writers and scholars from across the Muslim world and elsewhere to offer authoritative and mostly but not exclusively Muslim comment on current scholarship. The *Review* includes regular review articles on themes of current interest and topical book surveys.

The *Review* is an indispensable resource for librarians, scholars, students and interested general readers who wish to keep themselves well informed about current scholarship about Islam and the Muslim world.

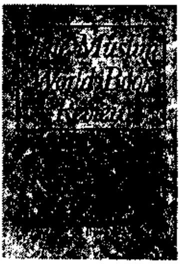

SUBSCRIPTION RATES

| | UK | Overseas |
|---|---|---|
| Individuals | £20.00 | £28.00 ($56) |
| Institutions | £30.00 | £38.00 ($76) |
| Single Copies | £7.50 | £10.50 ($21) |

All prices include postage. Cheques should be made payable to the Islamic Foundation and overseas payment should be made by bankers draft, or Visa, Delta, Euro and Mastercard. You may also place orders online at our website.

THE ISLAMIC FOUNDATION, Ratby Lane, Markfield, Leicestershire LE67 9SY, UK
Tel: (01530) 244 944 Fax: (01530) 244 946 Email: info@islamic-foundation.org.uk
Web site: www.islamic-foundation.org.uk

# سیاستِ عادلہ
## (۲)

——————مولانا سلطان احمد اصلاحی

### خداترسی وخیر پسندی:

معاصر دنیا کی سیاست کا نام آتے ہی ذہن میں ناخدا ترسی ،مکر وفریب ، بے ایمانی وبدعنوانی اور جرائم پسندی کا تصور ابھرتا ہے۔ یہاں تک کہ سیاست کو ایک ایسا گندا تالاب باور کیا جاتا ہے جس میں غوطہ زنی کے بعد آدمی کا پاک باز اور پاک دامن باقی رہنا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مخلص اور ایمان دار لوگ، جو سیاست کے ذریعہ سماج اور معاشرے کی مخلصانہ خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں، وہ اس کی اس ابتری کو دیکھ کر اپنے قدم پیچھے ہٹانے کے لیے مجبور پاتے ہیں، اسلام سیاست کو جس بلندی اور پاکیزگی سے ہم کنار کرنا چاہتا ہے اور جس کا کامیاب ترین تجربہ آج سے چودہ سو سال پہلے خلافت راشدہ کی صورت میں دنیا دیکھ چکی ہے، اس کا طرز و انداز اس سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہے۔ اس کے مطابق دنیا کی امامت وسیادت کے منصب پر جو لوگ فائز ہوں گے اور جن کے ہاتھ میں حکومت واقتدار کی زمام ہوگی وہ نماز وزکوۃ کا اہتمام کرنے والے، بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے ہوں گے:

| | |
|---|---|
| اَلَّـذِيْـنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُـمْ فِى الْاَرْضِ اَقَـامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج:۴۱) | وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین پر اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں ،زکوۃ ادا کریں ، بھلائی کا حکم دیں ، اور برائی سے منع کریں اور تمام معاملات کا انجام اللہ کے ہاتھ ہے۔ |

اس آیت کریمہ میں اسلامی ریاست کے حکم رانوں کے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا جو حکم ہے اس کا مطلب یہ بالکل نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے طور پر اس کا اہتمام کر لیتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود تو وہ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہی ہیں، اس سے آگے وہ اپنی پوری مملکت میں اس کی فضا ہموار کرتے اور اس کا نظام قائم کرتے ہیں۔ معلوم ہے کہ اسلام میں نماز اور زکوٰۃ پورے دین کا عنوان ہے۔ نماز کے اہتمام کے ذریعہ انسان کا اپنے اللہ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔ بندۂ مومن کی شعوری نماز انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر دائرے میں اس کو نفس و شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھتی اور اس کو جادۂ حق وصواب پر استوار رکھتی ہے۔ سچی زکوٰۃ کے ذریعہ آدمی خدا کے بندوں سے جڑتا اور ان کے دکھ درد میں ان کا شریک اور حصہ دار بنتا ہے۔ معاصر دنیا کی سیاست میں حکم راں عوام کو لوٹتے، چوستے اور ان کا استحصال کرتے ہیں۔ اسلام کی سیاست عادلہ میں حاکم عوام کا خادم اور ان کا ہم درد و غم گسار ہوتا ہے۔ اپنے طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی اور اس کا نظام قائم کر کے وہ اس ہم دردی اور بہی خواہی کا عملی ثبوت فراہم کرتا ہے۔ اس کے بعد جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ کہ دنیا کے اندر بھلائی کا نظام قائم ہو اور برائیوں کا خاتمہ عمل میں آئے۔ اسلام کی سیاست عادلہ کے کار پردازوں کی یہی خصوصیات آگے بیان ہوئی ہیں کہ وہ روئے زمین پر بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کے خاتمہ کا اپنے کو پابند تسلیم کرتے ہیں۔

ایک اور موقع پر بھی ان کی یہی خصوصیت اور ان کی یہی خوبی بیان کی گئی ہے۔ زمین میں حکومت و اقتدار مل جانے کے بعد وہ بے لگام نہیں ہوتے، بلکہ اپنی پوری زندگی میں ایمان اور عمل صالح کی روش پر کار بند ہوتے ہیں۔ ایک خدا کی بندگی کے راستے پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہتے ہیں، جس کی برکت سے ہی زندگی میں دین و دنیا کی بھلائیوں کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی طرح نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کے ساتھ وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر دائرے میں رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقے پر کار بند ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں دنیا و آخرت میں وہ رحمت ایزدی کو اپنا ہم رکاب پاتے ہیں:

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا وَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ. وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ

(نور:۵۵-۵۶)

اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے ہوں گے وہ ان کو ضرور زمین میں اقتدار بخشے گا جیسا کہ اس نے پہلے لوگوں کو اقتدار بخشا اور ان کے لیے ان کے اس دین کو غلبہ عطا کرے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند کر رکھا ہے اور ان کی خوف کی حالت کو امن میں تبدیل کر دے گا۔ (جس کے بعد وہ بے خوف و خطر) میری بندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ کفر کے راستے پر جمے رہیں تو یہی اصل نافرمان ہیں۔ اور نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی پیروی اختیار کرو۔ امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔

## عہدے اور مناصب سے دوری:

معاصر دنیا کی سیاست کی آفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہاں ہر شخص عہدے اور منصب کا بھوکا ہے۔ سیاست کے ذریعہ عوامی خدمت بس برائے نام ہی رہ گئی ہے۔ ورنہ اس کا اول و آخر مقصود عہدوں اور مناصب کی طلب رہ گیا ہے۔ موجودہ سیاست کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اسلام کی تعلیمات سے ہدایت اور روشنی حاصل کی جا سکتی ہے۔ رہبر اعظم ﷺ نے اپنے چاہنے والوں کو عہدہ و منصب کی طلب اور خواہش سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہؓ کو ایک موقع پر آپ ﷺ نے خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| **یاعبد الرحمن بن سمرة ، لاتسأل الامارة ، فإن أعطیتها عن مسئلة وُکّلتَ الیھا ، وإن أعطیتھا عن غیر مسئلة اعنت علیھا ۱** | اے عبدالرحمٰن بن سمرہؓ! حکومت وسربراہی کے طلب گار مت بنو اس لیے کہ اگر یہ تمہیں مانگنے سے ملے گی تو تم کو اس کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیا جائے گا اور اگر یہ تم کو بغیر مانگے ملے گی تو تم کو اس کے لیے اچھے مددگاروں کی رفاقت نصیب ہوگی۔ |

یہ سیاست میں روحانیت کی آمیزش کا مسئلہ ہے۔ ایک مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہو تو وہ دین ودنیا کا کوئی کام ٹھیک طریقے سے انجام نہیں دے سکتا۔ جوڑ توڑ سے کسی منصب کو حاصل کر کے آدمی اگر اللہ کی مدد سے محروم ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اس کی دوسری بد نصیبی نہیں ہوسکتی ہے۔ اسی لیے سچے مسلمان کو ہمیشہ طلب اور کوشش کے بغیر کسی عہدے اور منصب کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہونا چاہیے۔ یہ اس حدیث نبویؐ کا بڑا اہم نکتہ ہے جسے نمایاں کرنے کے لیے امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ نے زیرِ نظر باب کے علاوہ اس سے اوپر اس مضمون کو ممتاز کرنے کے لیے اس کا ایک الگ باب بھی قائم کیا ہے، جس میں انھوں نے اس روایت کو الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ دوبارہ نقل کیا ہے:

| | |
|---|---|
| **بـاب مـن لـم یسأل الإمارة أعانه الله علیھا ۲** | اس کا باب کہ جو حکومت وسربراہی کا طلب گار نہ ہو اللہ اس کے معاملے میں اس کی مدد کرتا ہے۔ |

اس کے بعد وہ دوسرا باب ہے جس سے ہم نے اوپر کی روایت نقل کی ہے:

| | |
|---|---|
| **باب من سأل الإمارة وکّل الیھا ۳** | اس کا باب کہ جو حکومت وسربراہی کا طلب گار ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ |

دوسری روایت میں اس کی مزید تفصیل ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی

روایت ہے کہ ایک موقع پر میں اور میرے قبیلہ کے دو اور اشخاص نبی علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ دیر بعد ان دونوں آدمیوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول علیہ! ہم کو کوئی عہدہ اور منصب عطا فرمایئے۔ دوسرے شخص نے بھی آپؐ سے اس کی فرمائش کی۔ اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

انّـا لانـولّـی مـن سـالـه ولا من حرص علیه [۴]

ہم کوئی عہدہ اور منصب اس شخص کو نہیں دیتے جو اس کا طلب گار ہوتا ہے یا اس کے اندر اس کا لالچ ہوتا ہے۔

صحیح بخاری کے اسی باب میں آپ علیہ کی دوسری حدیث بھی ہے جس میں آپؐ نے قیامت تک کے لیے اصولی طور پر عہدہ اور منصب کے لالچ سے بچنے اور اس کی بڑھی ہوئی ذمہ داریوں میں کوتاہی کے نتیجہ میں قیامت کے دن ہونے والی شرمندگی اور پشیمانی کا تذکرہ کر کے اس سے دوٗر رہنے کی تلقین کی ہے۔ وسائل حیات کی ترقی کے ساتھ معاصر دنیا کی سیاست بھی بہت پر کشش ہوگئی ہے۔ ایک بار جس کو اس کا مزہ مل جائے پھر وہ کسی طرح اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے۔ حدیث کے آخری ٹکڑے میں اس کی بہت اچھی مثال دی ہے۔ بچے کو ماں کا دودھ پینے میں کتنا سکھ ملتا ہے۔ لیکن جب اس کا دودھ چھڑایا جاتا ہے تو اس کو اسی قدر تکلیف بھی ہوتی ہے۔ یہی حال حکومت و اقتدار اور عہدہ ومنصب کا ہے کہ اس سے حاصل ہونے والی سہولت اور راحت تو آدمی کو بہت اچھی لگتی ہے، لیکن ذمہ داریوں میں کوتاہی کے نتیجے میں اللہ کی جناب میں اس کی جو جواب دہی کرنی ہوگی اس سے اس کی دنیا کا سارا سکھ ہرن ہوجائے گا۔ بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ زبان تہذیب اور عقیدے کی علم بردار ہوتی ہے۔ اس کی روشنی میں وطن عزیز کی سیاست میں 'ستا کا سکھ بھوگنے' کی تعبیر کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ تعبیر ہی صحیح نہیں ہے۔ یہاں تو مسئولیت ہی مسئولیت ہے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے خدا ترس و دین دار امیر اور خلیفہ کا دن کا چین اور رات کا آرام حرام ہوجاتا ہے۔ اب حدیث نبوی علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ پڑھئے جس کی روایت صحابیِ رسول حضرت ابو ہریرہؓ کرتے ہیں:

انكم ستحرصون على الإمارة، وستكون ندامة يوم القيامة، فنعم المرضعة وبئست الفاطمة ۵

ایک وقت آئے گا جب کہ تمہارے اندر عہدہ ومنصب کا لالچ پیدا ہوجائے گا، لیکن قیامت کے دن یہ سراسر پچھتاوا کا باعث ہوگا۔ تو اچھا ہے کہ یہ دنیا میں نہ ملے؟ جس سے کہ آخرت میں پچھتانا نہ پڑے۔

حضرت عمر فاروق اعظمؓ کا تو اس مسئلے میں یہاں تک کہنا ہے کہ:

لو علمت أن أحداً أقوىٰ على هذا الأمر منّي لكان أن أقدّم فيُضرب عنقي أهون عليّ فمن ولي هذاالأمر بعدى فليعلم أن سيردّه عنه القريب والبعيد وأيم الله إن كنت لأقاتل الناس عن نفسي ٦

اگر مجھ کو پتہ ہو کہ میرے مقابلے میں دوسرے کے اندر حکومت چلانے کی زیادہ اہلیت ہے تو یہ بات کہ آگے بڑھا کر میری گردن ماردی جائے اس کے مقابلے میں میرے لیے زیادہ آسان ہوگی۔ تو میرے بعد اس معاملے کا جو ذمہ دار ہو اس کو پتا ہونا چاہیے کہ اس کے نزدیکی اور دور کے سب مل کر اس کو اس سے بے دخل کرنے کی کوشش کریں گے۔ خدا کی قسم اپنے دفاع میں لوگوں سے لڑتے میری عمر گزر گئی۔

دوسرے موقع پر اس کی وضاحت ہے، جہاں حضرت صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں قوم کی سربراہی کے مقابلے میں انھوں نے اپنی گردن ماردیے جانے کو ترجیح دی:

لأن اُقدّم فتُضرب عنقي أحبّ اليّ من أن أتأمرّ على قوم فيهم أبو بكرؓ ٧

مجھے کھینچ کر لایا جائے اور میری گردن اڑادی جائے یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں اس جماعت کی امارت قبول کروں جس میں ابوبکرؓ جیسی ہستی موجود ہو۔

معاصر دنیا کی سیاست کو اس بے نفسی اور احتیاط کا معمولی سے معمولی حصہ بھی مل جائے تو اس کی کایا پلٹ ہوجائے۔ اسلام کی سیاست عادلہ اس کے لیے اس

کایا پلٹ کا پورا سامان کرتی ہے۔اب اس کا انحصار ان سطور کے پڑھنے والوں اور سننے والوں پر ہے کہ وہ اپنے کو اس کے لیے کس حد تک آمادہ کر پاتے اور اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے چشمۂ صافی سے اپنے کو کس قدر سیراب کرنا چاہتے ہیں۔

## عدل و انصاف:

عدل و انصاف پر ضمناً گفتگو اس سے پہلے' اتباع ہوٰی سے گریز' کے عنوان کے تحت آچکی ہے۔لیکن اسلام کی سیاست عادلہ میں یہ مضمون مرکزی اہمیت کا حامل ہے اس لیے اس پر الگ عنوان کے تحت گفتگو ضروری معلوم ہوتی ہے۔سیاست اگر انصاف سے عاری ہو جائے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ جسم سے روح نکل جائے۔اسلام کی سیاست عادلہ اپنے ہیکل سے اس روح کی جدائی کے لیے کسی صورت میں تیار نہیں۔ اس لیے کتاب اللہ میں اس کی تاکید ہے کہ کسی لاگ لپیٹ اور کسی جانب داری اور تحفظ کے بغیر دنیا میں عدل و انصاف کا قیام اور اس کا بول بالا ہونا چاہیے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا . فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (نساء:۱۳۵)

اے مسلمانو! عدل و انصاف کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے والے، اور اللہ اور اس کے (حق کی) گواہی دینے والے بن جاؤ۔ چاہے، یہ تمہاری اپنی ذات، تمہارے ماں باپ اور تمہارے رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔اس کی زد میں آنے والا مال دار یا محتاج جو بھی ہو ان کی اللہ کو زیادہ فکر ہے۔تو تم خواہشِ نفس کی پیروی میں انصاف کے راستے سے نہ ہٹو۔ اس کے باوجود اگر تم (گواہی میں ) گڑبڑی کرتے یا (اس سے ) روگردانی کرتے ہو تو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح پتا ہے کہ تم کیا کچھ کرتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں ایک بات تو یہ کہی گئی ہے کہ انفرادی و اجتماعی تمام دائروں میں بے لاگ عدل و انصاف کے قیام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ انسان کا خواہشِ نفس کی پیروی میں گرفتار ہو جانا ہے، جس پر اس سے پہلے تفصیلی کلام ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کی یہ دستوری آیت کریمہ دنیا میں ہمہ جہت انصاف کے قیام کے معاون اسباب کی نشان دہی کرتی اور اس کی آفات اور اس کی رکاوٹوں کا پتا دیتی ہے۔ سب سے پہلی بات یہ کہ جب تک ایک اللہ کی ذات پر آدمی کا ایمان، دوسرے لفظوں میں اللہ کی ذات کو زندگی میں مرکزی مقام حاصل نہ ہو انسانی زندگی میں عدل و انصاف کی آبیاری کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ جب تک آدمی اللہ کو حاضر و ناظر جان کر حق کی گواہی دینے کو تیار نہ ہو گاؤں کی پنچایت سے لے کر عدالتِ عظمیٰ تک اور میونسپلٹی کی سطح سے وزارتِ عظمیٰ اور قصرِ سلطنت تک حق و انصاف کی آبیاری کی ضمانت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ کتاب اللہ کی تاکید ہے کہ یہ گواہی اپنے خلاف اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں جس کسی کے بھی خلاف کیوں نہ جائے اس میں کسی قسم کا جھول اور لچک نہیں آنی چاہیے۔ بسا اوقات انصاف سے انحراف کا محرک بظاہر پاکیزہ ہو سکتا ہے کہ غلط گواہی سے کسی غریب اور محتاج کا بھلا ہو جائے گا۔ اسی طرح اکثر صورتوں میں کسی شخص کی دولت مندی اور اس کے اثر و رسوخ سے مرعوب ہو کر آدمی غلط گواہی کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ جادۂ انصاف سے انحراف کے ان دونوں ہی محرکات اور خواہشِ نفس کے فریب میں نہ آ کر بے لاگ انصاف کو یقینی بنانے کا حکم دیا گیا۔ آخر میں پھر تنبیہ کی گئی کہ ان تاکیدات کے باوجود اس سلسلے میں اگر کوتاہی ہوتی ہے، سچی گواہی میں ہیر پھیر کیا جاتا ہے، یا اس کو دینے سے انکار کیا جاتا ہے تو آخرت میں اس جرم عظیم پر اللہ کی پکڑ کے لیے تیار رہنا چاہیے، جو دنیا میں آدمی کے ہر چھوٹے بڑے عمل کو دیکھ رہا ہے اور اس کے ظاہر و باطن ہر ایک کو وہ یکساں طور پر سمجھتا اور جانتا ہے۔ افسوس ہے کہ سمجھ دار انسانوں کی بہت بڑی اکثریت اللہ کی کتاب سے منھ موڑ کر اپنے مسائل کا حل چاہتی اور دنیا میں عدل و انصاف کی آبیاری کی آرزو مند ہے۔ لیکن ان تعلیمات کو

نظر انداز کر کے اس کی اس خواہش کی کبھی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

دوسرے موقع پر بھی اس سلسلے میں اللہ کی کتاب کی تاکید کا یہی رنگ ہے۔ البتہ یہاں اس کا اضافہ ہے کہ انصاف کے معاملے میں اپنے اور غیر ہی نہیں دوست دشمن کے معاملے کا بھی کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی اس کی آبیاری کے لیے خوفِ خدا کو لازمی شرط کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ فرد کی ذاتی زندگی کی طرح قوموں اور جماعتوں کی اجتماعی زندگی میں اس تقویٰ اور خوفِ خدا کا دور دورہ نہ ہو، تو آج کی ترستی انسانیت کو انصاف کی ایک بوند بھی نصیب نہ ہو سکے گی:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (مائدہ:۸)

اے مسلمانو! تم اللہ واسطے اٹھ کھڑے ہونے والے بنو انصاف کی گواہی دیتے ہوئے اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس گناہ میں مبتلا نہ کرے کہ تم عدل سے کام نہ لو۔ عدل کو مضبوطی سے پکڑو۔ یہ خوف خدا سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرو، بلا شبہ اللہ کو خوب پتہ ہے جو تم کرتے ہو۔

سورۂ نساء کی آیتِ بالا میں "قوّامین بالقسط شهداء للّٰه" (انصاف کو پکڑنے والے اور اللہ واسطے گواہی دینے والے) ہے اور یہاں "قوّامین للّٰه شهداء بالقسط" (اللہ کے لیے اٹھ کھڑے ہونے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے) کہا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کا تتمہ اور تکملہ ہیں۔ پہلی آیت کریمہ میں انصاف کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کا مطلب ہے اللہ واسطے پکڑنا اور اللہ واسطے گواہی دینے کا مطلب ہے انصاف کے لیے گواہی دینا۔ اسی طرح یہاں اللہ کے لیے اٹھ کھڑے ہونے "قوامین للّٰه" کا مطلب انصاف کے واسطے اٹھ کھڑا ہونا اور انصاف کی گواہی دینے "شهداء بالقسط" کا مطلب ہوا اللہ واسطے اس کی گواہی دینا۔ اس سے انصاف اور توحید دوسرے لفظوں میں قانون اور اخلاق کے گہرے اور نازک

ترین رشتے کی گتھی سلجھتی ہے۔ زندگی میں جب تک اللہ کی ذات کو مرکزیت حاصل نہ ہوگی عدل وانصاف کی طرح دوسری تمام مطلوبہ قدروں کو ان کی جائز جگہ حاصل نہ ہوگی۔ آگے دشمن کے ساتھ انصاف نہ کرسکنے کے لیے لفظ جرم کا استعمال کیا گیا ہے ''وَلاَ یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَنْ لّاَ تَعْدِلُوا '' جس سے مزید اس کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آخری بات اللہ کے خوف اور تقویٰ کی ہے جس کے بغیر کبھی انصاف کی یہ بیل مینڈ چڑھنے والی نہیں، جیسا کہ اس کا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے۔

احادیث وآثار سے بھی انصاف کی یہی اہمیت سامنے آتی ہے۔ انصاف کا الٹا ظلم ہے۔ جس سے بچنے اور دور رہنے کی اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی تاکید کی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اتقوا الظلم فإن الظلم ظلمات یوم القیامة واتقو الشحّ فإن الشحّ أهلک من کان قبلکم حملهم علی أن سفکوا دماء هم واستحلوا محارمهم [۸]

ظلم سے بچو اس لیے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا۔ اسی طرح لالچ اور بخل سے دور رہو اس لیے کہ لالچ اور بخل تم سے پہلے لوگوں کو بری طرح تباہ کر چکا ہے۔ اس نے لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون بہائیں اور ایک دوسرے کی عزت وناموس کو تار تار کریں۔

یہ حدیث شریف اس مضمون کے سلسلے میں بہت جامع ہے، جس میں ظلم کے ساتھ اس کے سبب اور محرک کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ یہ حرص وطمع اور لالچ (شحّ) کا مرض ہے جس کے سامنے آدمی بالکل بے بس ہو کر رہ جائے اور اس کو اپنے اوپر بالکل قابو نہ رہے۔ جس فرد اور قوم کے اندر یہ مرض پیدا ہو جائے وہ اس کو بالکل اندھا بنا کے رکھ دیتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے ماضی کی قوموں کا حوالہ دیا ہے۔ حال سے بھی اس کی اسی طرح تصدیق ہوتی ہے۔ گذشتہ صدی عیسوی میں دنیا میں دو بڑی

جنگیں جولڑی گئیں جس کے نتیجے میں کروڑوں انسان موت کے گھات اتارے گئے اور ان کی جان کے ساتھ ان کے مال اوران کی عزت وآبرو کے ساتھ کھلواڑ کیا گیا اوران پر طرح طرح سے مظالم کے پہاڑ توڑے گئے اس کا اصل سبب اور محرک بھی وسائل معیشت پر قبضہ اور ملک گیری کی ہوس کے سوا دوسرا نہ تھا۔ اور آج کی یک قطبی دنیا کی واحد سپر پاور کے ذریعہ جو کچھ ہورہا ہے اس کو بھی اسی شدید حرص وطمع اور لالچ (شحّ) کا ثمرہ اور نتیجہ کہنا چاہیے۔ ایک اور حدیث میں بھی آپ ﷺ نے اس کی ایسی ہی ممانعت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کی مشہور حدیث ہے:

| | |
|---|---|
| أنصر أخاك ظالماً أو مظلوماً | اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظلم کرنے والا ہو یا اس پر ظلم کیا جارہا ہو۔ |

بات چونکانے والی تھی اس لیے لوگوں نے سوال کیا کہ مظلوم کی مدد کا مطلب تو سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ ظالم کی مدد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کے ہاتھ کو روک دیا جائے۔[۹] دوسرے موقع پر آپ ﷺ کے سلسلے میں صراحت ہے کہ:

| | |
|---|---|
| كان النبى ﷺ يتعوذ............ من دعوة المظلوم [۱۰] | نبی ﷺ (اللہ سے) اس کی پناہ طلب کرتے تھے کہ...... کسی مظلوم کی ان پر بددعا پڑے۔ |

اسی جگہ اس دعا کے الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں:

| | |
|---|---|
| ......واعوذبك أن أظلم او أُظلَم [۱۱] | ......اور (اے اللہ) میں تجھ سے اس کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں کسی پر ظلم کروں یا یہ کہ کوئی دوسرا مجھ پر ظلم کرے۔ |

قرآن شریف ہی کی طرح یہاں بھی اس معاملے میں اپنے اور غیر اور مسلمان اور کافر کا فرق نہیں ہے۔ مسند احمد میں صحابیِ رسول حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

| | |
|---|---|
| اتقوا دعوة المظلوم وان كان كافراً فانه ليس دونها حجاب [۱۲] | مظلوم کی بددعا سے بچو، چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ وہ بلا روک اوپر پہنچتی ہے۔ |

اس کے برعکس جو لوگ زمین میں عدل وانصاف قائم کریں گے، اس کے حق میں فضا بنائیں گے اور اس کا نفاذ عمل میں لائیں گے قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص اعزاز واکرام کے مستحق ہوں گے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مشہور ترین حدیث کے بموجب حشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ جن سات افراد کو خاص طور پر اپنے عرش کے سایے تلے جگہ دے گا، ان میں سر فہرست عدل پرور اور عدل گستر حاکم اور فرماں روا ہوگا۔ اللہ کے نبی ﷺ کا یہ ارشاد حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہے:

| | |
|---|---|
| سبعة يظلّهم الله يوم لاظلّ الّا ظلّه :الإمام العادل ...... [۱۳] | سات طرح کے لوگ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) سایہ فراہم کرے گا جس دن کہ اس کے سایے کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا ...... ان میں سے ایک عدل پرور حکمراں ہوگا۔ |

دوسری حدیث میں ہے:

| | |
|---|---|
| إنّ المقسطين عند الله على منابر من نور [۱۴] | انصاف کرنے والے (قیامت کے دن) اللہ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے۔ |

دوسری احادیث میں بھی اس کا اسی اہتمام سے تذکرہ ہے۔ صحیح بخاری ومسلم کی روایت میں مسلمانوں کے امام اور خلیفہ کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ اس کی بدولت مسلمانوں کے دین و دنیا کے مفادات کا تحفظ ہوتا ہے۔ وہ ان کی جان و مال اور ان کی عزت و آبرو کے بچاؤ کے مقصد سے ان کے لیے بطور ڈھال کے کام آتا ہے۔ اور اس کی سربراہی میں ان کے لیے اپنے ان مفادات کے لیے لڑنا آسان ہوتا ہے:

وإنما الإمام جُنّة يقاتل من ورائه ويُتقى به ۱۵

وقت کا حکمراں ڈھال ہوتا ہے جس کے پیچھے سے جنگ لڑی جاتی اور اس کے ذریعہ اپنا بچاؤ کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد کا ٹکڑا ہے جو اصل دل چسپی کا ہے:

فإن أمر بتقوى الله وعدل فانّ له بذلك اجراً، وان قال بغيره فان عليه منه ۱۶

اگر وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہے اور انصاف سے کام لیتا ہے تو اس کو اس کا بڑا بدلہ ملے گا، اگر اس کا طرزِ عمل اس کے برعکس ہوگا تو وہ اس کے وبال سے دوچار ہوگا۔

یہ دراصل حضرت ابو ہریرہؓ کی اس مشہور حدیث کا آخری ٹکڑا ہے جس کا ابتدائی حصہ الفاظ کے تھوڑے سے فرق سے اوپر گزر چکا ہے۔ یہاں اس کے الفاظ ہیں:

من أطاعني فقد أطاع الله، ومن عصاني فقد عصى الله، ومن يطع الأمير فقد أطاعني، ومن يعص الأمير فقد عصاني ۱۷

جس نے میری بات مانی اس نے اللہ کی بات مانی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جو امیر کی بات مانے اس نے میری بات مانی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

آپ ﷺ کی دیگر احادیث میں بھی امیر اور خلیفہ کی طرف سے اپنے عوام کے تئیں اس عدل و انصاف کی ایسی ہی تاکید ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

إن أحبّ الناس الى الله يوم القيامة وأدناهم منه مجلساً إمام عادل و أبغض الناس الى الله وأبعدهم منه مجلسا إمام جائر ۱۸

اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے زیادہ محبوب اور اس سے قریب باریابی پانے والا عدل پرور حکم راں ہوگا، اسی طرح اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور اس سے دور بٹھایا جانے والا ظالم حکم راں ہوگا۔

اسی طرح حضرت عمر بن الخطابؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن أفضل عباد الله عند الله منزلة يوم القيامة إمام عادل رفيق وإن شرّ الناس عند الله منزلة يوم القيامة إمام جائر خرق [۱۹]

قیامت کے دن اللہ کے نزدیک اس کے بندوں میں سب سے اونچے مرتبے پر فائز عدل پرور حکم راں ہوگا جو ساتھ ہی نرم خو ہو۔ اسی طرح قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بری جگہ پانے والا ظالم حکم راں ہوگا جو اسی طرح بے سمجھ بھی ہو۔

یہاں تک کہا گیا ہے کہ:

إن اللّه يقيم الدولة العَادلة وإن كانت كافرة، ولايقيم الظالمة وإن كانت مسلمة [۲۰]

اللہ تعالیٰ عدل پرور حکومت کو باقی رکھتا ہے اگر چہ وہ کفر کے راستے پر کیوں نہ ہو، لیکن وہ ظالم حکومت کو باقی رہنے نہیں دیتا اگر چہ وہ اسلام کی پیرو کار ہو۔

اسی بات کو دوسرے لفظوں میں بھی کہا گیا:

الدنيا تدوم مع العدل والكفر و لاتدوم مع الظلم والإسلام [۲۱]

دنیا انصاف اور کفر کے ساتھ تو چل سکتی ہے لیکن وہ اسلام اور ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی۔

عدل وانصاف کے سلسلے میں شاید یہ آخری بات ہے جو کہی جا سکتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم اور نفاق کے نتیجے میں صرف حکومت واقتدار ہاتھ سے نہیں جاتا بلکہ اس کا وبال بعض دوسری صورتوں میں بھی ظاہر ہوتا ہے:

......ولاحكم قوم بغير الحق الافشا فيهم الدم [۲۲]

جس قوم کے اندر حق کے خلاف فیصلے ہوتے ہیں اس کے یہاں قتل وخون ریزی کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔

ترجمان القرآن کا یہ پورا اثر بڑا چونکا نے والا اور عبرت انگیز ہے۔ اس لیے یہاں اسے پورا پورا نقل کیا جاتا ہے۔

ماظهر الغلول فى قوم قط الّا ألقى فى قلوبهم الرعب ، ولا فشا الزنىٰ فى قوم قطّ الّا كثر فيهم الموت ، ولا نقص قوم المكيال والميزان الا قُطع عنهم الرزق ، ولا حكم قوم بغير الحق الّا فشا فيهم الدم ، ولا ختر قوم بالعهد الّا سلط اللّٰه عليهم العدوّ ۲۳؎

جس قوم میں بے ایمانی عام ہو جاتی ہے اس کے دلوں میں خوف و دہشت پیوست کر دی جاتی ہے ، اور جس قوم میں زنا کاری پھیل جاتی ہے اس میں کثرت سے موتیں ہونے لگتی ہیں اور جو قوم ناپ تول میں کم کرنے لگتی ہے اس کی روزی گھٹ جاتی ہے۔ اور جس قوم کے اندر حق کے خلاف فیصلے ہونے لگتے ہیں اس کے یہاں قتل و خوں ریزی کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ اور جو قوم عہد شکنی کی عادی ہو جاتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ دشمن کو مسلط کر دیتے ہیں۔

کہاں اسلام کی سیاست عادلہ کے عدل وانصاف کا یہ منارۂ نور اور کہاں معاصر دنیا کی ظلمت آلود سیاست، جس میں اقوام متحدہ میں دنیا کی چند طاقت ور اقوام کو ''ویٹو پاور'' کا ظالمانہ اختیار حاصل ہے، جس کی بدولت وہ آئے دن دنیا میں عدل و انصاف کی دھجیاں بکھیرتی اور زمین میں سرکشی اور عدوان کے لیے میدان تیار کرتی ہیں۔ اسلام کی عدل و انصاف سے بےلوث وفاداری ویٹو پاور کی اس روایت کو یک سر مسترد کرتی ہے۔

## بدعہدی اور خیانت سے اجتناب

اسلام نے سیاستِ عادلہ کا جو تصور دیا ہے اس کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ ریاست کے ذمہ داروں اور کارکنوں کا دامن بدعہدی اور خیانت سے پاک ہونا چاہیے۔

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات بہت واضح ہیں۔آپ کا ارشاد ہے۔

من كان يومن بالله واليوم الآخر فلا يركب دابة من فئ المسلمين حتى اذا أعجفها ردّها فيه ومن كان يومن بالله وباليوم الآخر فلا يلبس ثوباً من فئى المسلمين حتى اذا أخلقه ردّه فيه ۲۴

جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ مسلمانوں کے فئی کے مال (سرکاری مال) کے کسی جانور پر سواری نہ کرے، یہاں تک کہ جب اس کو خوب کم زور اور لاغر کر لے تو اس کو لا کر اس میں لوٹا جائے، اور جو کوئی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ مسلمانوں کے فئی کے مال (سرکاری مال) کا کوئی کپڑا نہ پہنے یہاں تک کہ جب اس کو خوب پرانا کر لے تو اس کو اس میں لا کر لوٹا جائے۔

اسی طرح دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

أدّو الخياط والمخيط، وايّا كم و الغلول فإنّه عار على أهله يوم القيامة ۲۵

سوئی دھاگے تک (سرکاری خزانے میں) جمع کرو اور بے ایمانی کے پاس بھی نہ پھٹکو اس لیے کہ قیامت کے دن وہ ایسا کرنے والے کے لیے باعث ننگ و عار ہوگی۔

نیز یہ کہ:

إذا وجدتم الرجل قد غلّ فأحرقوا متاعه واضربوه ۲۶

جب تم دیکھو کہ کسی شخص نے بے ایمانی کی ہے تو اس کا سامان جلا دو اور اس کو مارو الگ سے۔

یہاں تک فرمایا کہ:

من كتم غالّاً فإنّه مثله ۲۷

جو کسی بے ایمان کو بچانے کی کوشش کرے وہ بھی اسی کے مانند ہے۔

کھوٹ اور خیانت کی یہ صورت عامۃ الناس سے متعلق ہے۔ اس کی دوسری صورت امراء و حکام سے متعلق ہے جس میں وہ اپنے عہدے اور منصب کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس کے سلسلے میں بھی آپؐ کی اسی طرح کی سخت وعیدیں ہیں۔ ایک موقع پر قبیلۂ بنو اسد کے ایک شخص ابن اللتیہ کو آپؐ نے صدقہ کی وصولی پر مامور فرمایا۔ واپس آنے پر وہ کہنے لگے کہ یہ مال تو مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیہ میں دیا گیا ہے۔ اطلاع ہونے پر آپؐ اس پر سخت ناراض ہوئے اور موقع کی مناسبت سے یہ بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| مابال العامل نبعثه فيأتي فيقول: هـذا لک و هـذا لـي ، فهلاّ جلـس في بيت أبيه وأمه فينظر أيهـدیٰ لـه أم لا ؟ والذی نفسی بيـده لايـأتـی بشئ ألا جاء يوم القيـامة يـحـمله علی رقبة ، ان كـان بـعيـراً له رغاء أو بقرة لها خوار او شاة تعير ۲۸ | سرکاری کارندوں کا بھی عجب حال ہے کہ ہم ان کو بھیجتے ہیں تو وہ آکر کہتے ہیں کہ: یہ آپ کا ہے اور یہ ہمارا ہے۔ تو ایسا شخص کیوں نہیں اپنے باپ اور ماں کے گھر میں بیٹھتا پھر وہ دیکھے کہ اسے کون لاکر ہدیہ دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ایسے شخص کو اس طریقے سے جو چیز بھی ملے گی قیامت کے دن وہ اس کو اپنی گردن پر لاد کر لائے گا تو اگر اس کی چوری کی ہوئی چیز اونٹ ہوگی تو وہ بلبلائے گا اگر وہ گائے اور بیل ہو تو ڈکار مارے گا اور اگر وہ بکری ہوگی تو وہ ممیائے گی۔ |

اس کے بعد آپؐ نے ہاتھ اٹھا کر تین بار اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| ألاهل بلغت ۲۹ | میرے اللہ گواہ رہنا کہ میں نے بات کو پہنچا دیا۔ |

صحیح مسلم میں اسی موقع پر اس سلسلے میں آپ ﷺ کی یہ اصولی ہدایت ہے:

من استعملناه منکم علی عمل فکتمنا مخیطا فمافوقه کان غلولاً یأتی به یوم القیامة ۳۰

تم میں سے جس کسی کو ہم سرکاری کام پر لگائیں اور وہ سوئی یا اس سے اوپر کی کوئی چیز ہم سے چھپائے تو یہ بے ایمانی میں شامل ہوگی ۔ اور قیامت کے دن اس کو اس کا حساب دینا پڑے گا۔

نیز یہ کہ:

من استعملناه منکم علی عمل فلیجیء بقلیله و کثیرة فما أوتی منه أخذ وما نهی عنه انتهی ۳۱

تم میں سے جس کسی کو ہم کسی سرکاری کام پر لگائیں تو تھوڑا یا زیادہ جو اس کو ملے وہ اسے لاکر جمع کرے اب (سرکار کی طرف سے ) اس کو جو ملے وہ اسے لے لے اور جو اس سے روک لیا جائے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے ہوئے اس سے متعلق اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو جو نصیحت فرمائی اس سے یہ مضمون مزید نکھرتا اور صاف ہوتا ہے۔ اس پوری روایت کو اصل الفاظ کے ساتھ دیکھیے:

عن معاذ بن جبلؓ قال بعثنی رسول الله ﷺ الی الیمن فلمّا سرت أرسل فی أثری فرددت قال أتدری لم بعثت الیک قال لا تصیبنّ شیئاً بغیر إذنی فانه غلول و من یغلل یأت بما غل یوم القیامة لهٰذا دعوتک وامض لعملک ۳۲

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو یمن کے لیے روانہ کیا تو جب میں کچھ دور نکل گیا تو آپ ﷺ نے مجھ کو واپس بلوایا تو جب میں آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سمجھے کہ میں نے تم کو کیوں واپس بلوایا؟ میری اجازت کے بغیر کسی معمولی سے معمولی چیز کو بھی ہاتھ نہ لگانا، اس لیے کہ یہ بے ایمانی میں شمار ہوگا اور جو کوئی کسی طرح کی بے ایمانی کرے گا وہ قیامت کے دن اس کے ساتھ حاضر ہوگا، میں نے تم کو اسی لیے بلایا تھا اب تم جاؤ اور اپنے کام پر لگ جاؤ۔

لیکن یہ وادی بڑی سنگلاخ اور بڑی پرخار ہے۔ کسی امیر اور حاکم کا اس سے بچ کر نکلنا بہت مشکل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس پر سخت تنبیہ فرمائی ہے:

ما من أمير عشرة الايؤتىٰ به يوم القيامة مغلولة يداه الى عنقه أطلقه الحق أو أو بقه ۳۳

جو کوئی دس آدمیوں کا بھی ذمہ دار ہوگا تو اس کو قیامت کے دن اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن سے بندھا ہوگا۔ اب اگر وہ سچا ہوگا تو اس کا ہاتھ کھل جائے گا ورنہ وہ اسی طرح بندھا رہے گا۔ اور اس کی تباہی کا پیش خیمہ ہوگا۔

نیز یہ کہ:

لكل غادر لواء يوم القيامة يرفع لــه بـقـدر غـدره الاَ ولا غـادر أعظم غدراً من أمير عامة ۳۴

قیامت کے دن ہر بے ایمان اور بدعہد کی پہچان کے لیے اس کے ساتھ ایک جھنڈا ہوگا جو اس کی بدعہدی اور بے ایمانی کے بقدر اونچا ہوگا اور سب سے بڑا بدعہد اور بے ایمان کسی قوم کا سربراہ اعلیٰ ہوگا۔

اسلام کی سیاستِ عادلہ کی یہ ایک جھلک ہے۔ وطنِ عزیز اور معاصر دنیا کے سیاست داں اور حکم راں اس کے آئینے میں اپنی تصویر دیکھ سکتے ہیں۔ کاش کہ آج کا ذہین اور سمجھ دار طبقہ اسلام اور اس کی نجات دہندہ تحریک کے خلاف بے بنیاد عالمی پروپگنڈہ سے متاثر نہ ہوکر پوری غیر جانب داری اور جذبۂ حق پسندی کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کو قبول کرنے کا اپنے اندر عزم پیدا کر سکے۔

وما علينا الا البلاغ

☆☆☆

## حواشی ومراجع:

١ صحیح بخاری جلد۴، کتاب الاحکام، باب من سأل الامارۃ وکل الیہا، صحیح مسلم جلد۳۔ کتاب الامارۃ، باب النہی عن طلب الامارۃ والحرص علیہا۔
۲،۳ صحیح بخاری، حوالہ سابق
۴ صحیح بخاری، جلد۴۔ کتاب الاحکام، باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ، صحیح مسلم، جلد۳۔ کتاب الامارۃ، حوالہ سابق۔
۵ صحیح بخاری، حوالہ مذکور۔
۶ موطا امام محمد/۴۰۰، باب النوادر، خورشید بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء
۷ احیاء علوم الدین: ۴/ ۲۷۹، طبع قدیم، مطبعہ عامرہ شرفیہ، مصر، ۱۳۲۶ھ
۸ صحیح مسلم، جلد۴۔ کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الظلم۔ نیز مسند احمد: ۳/ ۳۲۳
۹ صحیح بخاری، جلد۲۔ کتاب المظالم والغصب، باب اعن اخاک ظالما اومظلوما۔ جامع الترمذی: ۲/ ۵۰، ابواب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب بلا ترجمہ۔ سنن الدارمی، جلد۲۔ کتاب الرقائق، باب انصر اخاک ظالما اومظلوما۔ نیز مسند احمد: ۳/ ۹۹، ۲۰۱۔
۱۰ سنن نسائی، جلد۲۔ کتاب الاستعاذہ، باب دعوۃ المظلوم۔
۱۱ سنن نسائی، باب الاستعاذۃ من الذلۃ، نیز، باب الاستعاذۃ من القلۃ۔
۱۲ مسند احمد: ۳/ ۱۵۳۔
۱۳ صحیح بخاری، جلد۱۔ کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوۃ، وفضل المساجد، جلد۴۔ کتاب الحدود، باب فضل من ترک الفواحش۔ صحیح مسلم جلد۲۔ کتاب الزکاۃ، باب فضل اخفاء الصدقۃ۔ نیز مسند احمد: ۲/ ۴۳۹۔
۱۴ صحیح مسلم، جلد۳۔ کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل وعقوبۃ الجائر والحث علی الرفق بالرعیۃ والنہی عن ادخال المشقۃ علیہم۔
۱۵، ۱۶ صحیح بخاری، جلد۲۔ کتاب الجہاد والسیر، باب یقاتل من وراء الامام ویتقی بہ۔ صحیح مسلم، جلد۳، کتاب الامارۃ، باب الامام اذا امر بتقوی اللہ وعدل کان لہ اجر۔
۱۷ صحیح بخاری، جلد۲۔ کتاب الجہاد والسیر، باب یقاتل من وراء الامام ویتقی بہ۔ حوالہ بالا
۱۸ جامع الترمذی، جلد۱۔ ابواب الاحکام عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی الامام العادل، قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب لانعرفہ الامن ہذا الوجہ

۱۹ بیہقی فی شعب الایمان، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، جلد۲۔ کتاب الامارۃ والقضاء، فصل ثالث۔ ص۳۲۳۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

۲۰، ۲۱ علامہ ابن تیمیہ م ۷۲۸ھ: الاستقامہ: ۲/ ۲۴۷، طبع جدید، من مطبوعات جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، السعودیہ، طبعہ اولیٰ ۱۹۸۳ء/ ۱۴۰۴ھ، تحقیق: الدکتور محمد رشاد سالم۔ نیز ملاحظہ ہو انہی کی: الحسبۃ، مشمولہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۸/ ۱۴۶، طبع جدید، السعودیہ۔ ترتیب: عبدالرحمٰن بن قاسم وابن محمد۔

۲۲، ۲۳ موطا امام مالک: ۱/ ۳۰۵، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی الغلول، مکتبہ تجاریہ کبریٰ (مصر) ۱۹۶۹ء/ ۱۳۸۹ھ۔

۲۴ سنن ابوداؤد، جلد۲۔ کتاب الجہاد، باب الرجل ینتفع من الغنیمۃ بشیٔ، سنن الدارمی، جلد۲۔ کتاب السیر، باب النہی عن رکوب الدابۃ من المغنم ولبس الثوب منہ۔

۲۵ سنن الدارمی، حوالہ سابق، باب ماجاء انہ قال: ادوا الخیاط والمخیط۔

۲۶ ابوداؤد، جلد۲۔ کتاب الجہاد، باب عقوبۃ الغال، سنن الدارمی، حوالہ بالا۔ باب عقوبۃ الغال

۲۷ ابوداؤد، حوالہ سابق، باب النہی عن الستر علیٰ من غلّ۔

۲۸، ۲۹ صحیح بخاری، جلد۴۔ کتاب الاحکام، باب ہدایا العمال۔ صحیح مسلم، جلد۳۔ کتاب الامارۃ، باب تحریم ہدایا العمال۔ البتہ صحیح مسلم میں ألا ھل بلغت، تین کے بجائے دوبار کہنے کی روایت ہے۔

۳۰، ۳۱ صحیح مسلم، حوالہ سابق۔

۳۲ جامع الترمذی، جلد۱۔ ابواب الاحکام عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی ہدایا الامراء۔

۳۳ سنن الدارمی، جلد۲۔ کتاب السیر، باب التشدید فی الامارۃ، ص۳۱۳۔ ایضا رواہ البیہقی والبزار اور رجالہ رجال الصحیح، ایضا: صححہ الالبانی فی صحیح الجامع، دارمی، بحولہ بالا۔

۳۴ صحیح مسلم، جلد۳۔ کتاب الجہاد والسیر، باب تحریم الغدر، عامرہ، مصر۔ جامع الترمذی، جلد۲۔ ابواب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب ما اخبر النبی ﷺ اصحابہ بما ہو کائن الی یوم القیامۃ۔ روایت کے پہلے حصہ کے لیے صحیح بخاری جلد۴۔ کتاب الادب، باب مایدعی الناس بآبائہم۔ نیز مسند احمد: ۳/ ۱۴۲- ۱۵۰ وغیرہ۔

سیر و سوانح

# شیخ احمد سرہندیؒ کے تجدیدی کارنامے
## علماءِ عصرِ جدید کی نظر میں

—————مولانا اشہد رفیق ندوی

شیخ احمد بن عبد الاحد زین العابدین فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۱-۱۰۳۴ھ مطابق ۱۵۶۴-۱۶۲۴ء) مجدد الف ثانی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یہ دراصل ان کا خطاب ہے جو اتنا مشہور ہوگیا کہ اصل نام تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں بہت ڈھونڈنے کے بعد ملتا ہے۔

حضرت شیخ سرہندیؒ کو یہ خطاب عہدِ اکبری و عالم گیری میں ان کے انقلابی و تجدیدی کارناموں کی وجہ سے حاصل ہوا۔ اس خطاب کے پسِ منظر میں سنن ابی داؤد کی ایک مشہور روایت ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرے گا جو اس کے لیے اس دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے''[۱] سنتِ الٰہی کے مطابق ہر زمانہ اور صدی میں مصلحین و مجددین پیدا ہوتے رہے اور دین کو نیا اور تازہ کرتے رہے ہیں، مگر اسلام کی تقریباً چودہ سو سال کی تاریخ میں یہ خطاب صرف حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کو حاصل ہوا اور خطاب کے لاحقہ الف ثانی کا یہ مطلب سمجھا جاتا ہے کہ یہ پورے دوسرے ہزاریہ کے لیے مجدد بنائے گئے۔

شیخ سرہندیؒ کی ذات اور کارنامے اتنے عظیم ہیں کہ ہر دور کے علماء و محققین انہیں موضوعِ بحث بناتے رہے ہیں۔ عصرِ جدید کے متعدد جلیل القدر علماء کرام نے بھی ان کے افکار و خیالات اور تجدیدی کارناموں کا گہرا مطالعہ کیا اور انھیں زبردست خراجِ

عقیدت پیش کیا ہے۔ ان میں مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، علامہ اقبالؒ، مولانا منظور نعمانیؒ، مولانا محمد عبد الشکور فاروقیؒ، مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ اور ڈاکٹر محمد عبد الحق انصاری خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ پیشِ نظر مقالہ میں انہی علماء و محققین کی تحقیقات و نگارشات کے حوالہ سے حضرت شیخ سرہندیؒ کے مقام و مرتبہ کا تعین اور اس مقامِ بلند تک پہنچنے کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

معاصر محقق ڈاکٹر محمد عبد الحق انصاری نے حضرت شیخ کے ایک مکتوب کے حوالہ سے اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ ''حضرت خود کو ایک ولی سے بڑھ کر ایک مجدد سمجھتے تھے جو الف ثانی میں کارِ تجدید کے لیے اٹھائے گئے ہیں'' ۔۲؎

مولانا محمد عبد الشکور فاروقیؒ کو اس دعویٰ پر مکمل شرحِ صدر ہے، چناں چہ وہ لکھتے ہیں: ''حضرت کا مجدد الف ہونا بھی ایک بڑی چیز ہے، آپ سے پہلے صدی کے مجدد ہوا کرتے تھے، الف کا مجدد کوئی نہیں ہوا۔ الف ثانی کا آغاز ہی نہ ہوا تھا اور الف اول میں خود ذات اقدس و اطہر سید البشر ﷺ کی موجود تھی۔ آپ سے پہلے جس قدر مجدد صدیوں کے گزرے ہیں کوئی مجدد دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا، بلکہ خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں متعدد مجدد نظر آتے ہیں۔ کوئی علمِ حدیث کا، کوئی فقہ کا، پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجدد ہے، کوئی فقہ شافعی کا، کوئی علم کلام کا مجدد ہے اور کوئی سلوک و احسان کا، لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے لیے مخصوص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجدد ہیں، جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ سے پہلے کے مجدّد دین کو سید الانبیاء ﷺ کی نیابت خاص خاص چیزوں میں حاصل تھی اور آپ کو تمام چیزوں میں نیابت تامہ حاصل ہے۔ آپ سے پہلے کے مجددوں کی خدمات کا اثر صرف ایک صدی کے لیے ہوتا تھا اور آپ کی مجددیت ایک ہزار سال کے لیے ہے'' ۔۳؎

مولانا ابو الکلام آزادؒ بھی شیخ سے بے حد متاثر ہیں۔ وہ ان کے تجدیدی کارناموں کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''شہنشاہِ اکبر کے عہد کے

اختتام اور عہدِ جہاں گیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء و مشائخِ حق سے بالکل خالی ہوگیا تھا! کیسے کیسے اکابر موجود تھے، لیکن مفاسد وقت کی اصلاح و تجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا، صرف مجددِ الف ثانی شیخ سرہندیؒ کا وجودِ گرامی ہی تنِ تنہا اس کاروبار کا کفیل ہوا''۔[۴]

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے اس سے بھی زیادہ بلند آہنگ میں ان کے تجدیدی کارناموں کو سراہا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں: ''ہندوستان کے مختلف گوشوں میں اس وقت بھی بہت سے حق پرست علماء اور سچے صوفیاء موجود تھے، مگر ان کے درمیان وہ ایک اکیلا شخص تھا جو وقت کے ان فتنوں کی اصلاح اور شریعتِ محمدی کی حمایت کے لیے اٹھا اور جس نے شاہی قوت کے مقابلہ میں یکہ و تنہا احیاءِ دین کی جدو جہد کی''۔[۵]

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے نسبتاً محتاط الفاظ میں یہی باتیں اس طرح کہی ہیں:

''امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ سے دین کی تجدید و حفاظت اور احیاءِ شریعت کا جو عظیم کام ہمارے اس ملک میں لیا وہ بھی اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا لقب مجدد الف ثانی ایسا مشہور ہوگیا ہے کہ بہت سے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے، صرف مجدد الف ثانی کے معروف لقب ہی سے ان کو پہچانتے ہیں''۔[۶]

## کارِ تجدید کیا ہے؟

حضرت شیخ سرہندیؒ کے تجدیدی کارناموں کی تفصیلات بے شمار مقامات پر ملتی ہیں۔ مگر خود کارِ تجدید کیا ہے اور تجدیدی کارناموں کے پرکھنے کا معیار کیا ہے؟ اس موضوع پر ماخذ بالعموم خاموش ہیں۔ مولانا منظور نعمانیؒ نے اس سلسلے میں مختصراً اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے بہت شرح و بسط کے ساتھ اظہارِ خیال کیا ہے۔ مولانا نے اپنی کتاب ''تجدید و احیاءِ دین'' میں خاص طور سے اسی عقدہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ کارِ تجدید کی تعریف وہ اس طرح بیان کرتے ہیں: ''دراصل تجدید کا کام یہ ہے کہ اسلام

کو جاہلیت کے تمام اجزاء سے چھانٹ کر الگ کیا جائے، کسی نہ کسی حد تک اس کو اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کی جائے''۔ ے

تجدیدی کارناموں اور مجدّد کے معیار کو پرکھنے کے لیے انھوں نے کچھ اصول اور میدانِ کار متعین کیے ہیں اور انھیں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ اپنے ماحول کی تشخیص: یعنی حالات کا پورا جائزہ لے کر یہ سمجھنا کہ جاہلیت کہاں کہاں کس حد تک سرایت کر گئی ہے؟ کن کن راستوں سے آئی ہے؟ اس کی جڑیں کہاں کہاں اور کتنی پھیلی ہوئی ہیں؟ اور اسلام اس وقت ٹھیک کس حالت میں ہے؟

۲۔ اصلاح کی تجویزیں: یعنی یہ تعین کرنا کہ اس وقت کہاں ضرب لگائی جائے کہ جاہلیت کی گرفت ٹوٹے اور اسلام کو پھر اجتماعی زندگی پر گرفت کا موقع ملے؟

۳۔ خود اپنے حدود کا تعین: یعنی اپنے کو تول کر صحیح اندازہ لگانا کہ میں کتنی قوت رکھتا ہوں اور کس راستے سے اصلاح کرنے پر قادر ہوں؟

۴۔ ذہنی انقلاب کی کوشش: یعنی لوگوں کے خیالات کو بدلنا، عقائد و افکار اور اخلاقی نقطۂ نظر کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا، نظامِ تعلیم و تربیت کی اصلاح اور علومِ اسلامی کا احیاء کرنا اور فی الجملہ اسلامی ذہنیت کو از سرِ نو تازہ کر دینا۔

۵۔ عملی اصلاح کی کوشش: یعنی جاہلی رسوم کو مٹانا، اخلاق کا تزکیہ کرنا، اتباعِ شریعت کے جوش سے پھر لوگوں کو سرشار کر دینا اور ایسے افراد تیار کرنا جو اسلامی طرز کے لیڈر بن سکیں۔

۶۔ اجتہاد فی الدین: یعنی دین کے اصولِ کلّیہ کو سمجھنا، اپنے وقت کے تمدّنی حالات اور ارتقاء تمدن کی سمت کا اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح اندازہ لگانا اور یہ تعیّن کرنا کہ اصولِ شرع کے ماتحت تمدن کے پرانے متوارث نقشے میں کس طرح ردّ و بدل کیا جائے جس سے شریعت کی روح برقرار ہے۔ اس کے مقاصد پورے ہوں اور تمدن کے صحیح ارتقاء میں اسلام دنیا کی امامت کر سکے؟

۷۔ دفاعی جہد و جہد: یعنی اسلام کو مٹانے اور دبانے والی سیاسی طاقت کا

مقابلہ کرنا اور اس کے زور کو توڑ کر اسلام کے ابھرنے کا راستہ پیدا کرنا۔

۸۔ احیاءِ نظام اسلامی: یعنی جاہلیت کے ہاتھ سے اقتدار کی کنجی چھین لینا اور از سرِ نو حکومت کو عملاً اس نظام پر قائم کردینا جسے صاحبِ شریعت علیہ السلام نے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

۹۔ عالم گیر انقلاب کی کوشش: یعنی صرف ایک ملک یا ان ممالک میں جہاں مسلمان پہلے سے موجود ہوں، اسلامی نظام کے قیام پر اکتفا نہ کرنا، بلکہ ایک ایسی طاقت اور عالمی تحریک برپا کرنا جس سے اسلام کی اصلاحی و انقلابی دعوت عام انسانوں میں پھیل جائے، وہی تمام دنیا کی غالب تہذیب بنے، ساری دنیا کے نظامِ تمدن میں اسلامی طرز کا انقلاب برپا ہو اور عالمِ انسانی کی اخلاقی، فکری اور سیاسی امامت و ریاست اسلام کے ہاتھ میں آجائے۔

ان شعبوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تین مدات تو ایسی ہیں جو ہر اس شخص کے لیے ناگزیر ہیں جو تجدید کی خدمت انجام دے۔ لیکن باقی چھ مدیں ایسی ہیں جن کا جامع ہونا مجدد کے لیے شرط نہیں ہے۔ بلکہ جس نے ایک، دو، تین یا چار شعبوں میں کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا وہ بھی مجدد قرار دیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس قسم کا مجدد جزدی ہوگا، کامل مجدد نہ ہوگا۔ کامل مجدد صرف وہ شخص ہوسکتا ہے جو ان تمام شعبوں میں پورا کام انجام دے کر وراثت کا حق ادا کرے۔[۸]

## شیخ سرہندی کے تجدیدی کارنامے

ان علماء و محققین نے شیخ کی خدمات جلیلہ کو صرف خراج عقیدت ہی نہیں پیش کیا ہے، بلکہ ان کا گہرائی سے تجزیہ بھی کیا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے شیخ کی تجدیدی خدمات کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے:

''۱۔ انھوں نے ہندوستان میں حکومت کو بالکل ہی کفر کی گود میں جانے سے روکا اور اس فتنۂ عظیم کے سیلاب کا منہ پھیرا جو اب سے تین چار سو برس پہلے ہی اسلام کا

نام ونشان مٹا دیتا۔

۲۔ تصوف کے چشمۂ صافی کو ان آلائشوں سے، جو فلسفیانہ اور راہبانہ گم راہیوں کے سبب اس میں سرایت کر گئی تھی، پاک کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا۔

۳۔ ان تمام رسومِ جاہلیت کی شدید مخالفت کی جو اس وقت عوام میں پھیلی ہوئی تھیں اور سلسلۂ بیعت و ارشاد کے ذریعہ سے اتباعِ شریعت کی ایک ایسی تحریک پھیلائی جس کے ہزار ہا تربیت یافتہ کارکنوں نے نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں میں، بلکہ وسط ایشیا تک پہنچ کر عوام کے اخلاق وعقائد کی اصلاح کی کوشش کی''۔۹

مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے بھی شیخ سرہندی کے تجدیدی جہاد کے تین میدان متعین کیے ہیں۔ لکھتے ہیں: ''حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے ان فتنوں کے سرچشموں کو دریافت کیا تو دیکھا کہ اصولی طور پر صرف تین راستے ہیں جن سے گم راہیوں اور تباہیوں کے یہ سیلاب آ رہے ہیں۔ ایک اربابِ حکومت، جن کو حالات و اتفاقات کی ایک خالص رفتار اور سیاسی مفاد کے ایک غلط تصور اور غلط توقعات نے ''اسلامیات'' سے بے گانہ اور لامذہبیت بلکہ ہندویت سے آشنا بنا دیا۔ دوسرے وہ علماء سوء جن کا مطمحِ نظر صرف اچھی طرح دنیا کمانا، اربابِ اقتدار اور امراء وقت کی خوش نودی اور رضا جوئی میں ساعی رہنا اور ان کی خاطر ہر منکر کو معروف بنا دینا اور اپنی خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے لیے اسلام میں گنجائش پیدا کرنا ہے۔ تیسرے وہ گم راہ اور برخود غلط صوفی، جو شریعت کو ظاہر پرستوں کا کھلونا سمجھتے ہیں اور طریقت وحقیقت کے مقدس ناموں سے انھوں نے اپنی الگ دنیا بنا رکھی ہے۔ یہ تھے فتنوں کے تین چشمے۔ حضرت مجددؒ نے بس انہی کو قابو میں لانے اور ان کا رخ صحیح کرنے کے لیے اپنی پوری حکمت وقوت صرف فرما دی''۔۱۰

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس بحث کو ایک نئی جہت دی ہے۔ انھوں نے اپنے پیش رو علماء ومحققین کی تحقیقات کا گہرائی سے تجزیہ کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت کے تجدید کارناموں کا تجزیہ کرنے والوں نے ان کے اصل تجدیدی کارنامے کی

تعین میں مختلف رائیں پیش کی ہیں۔مختصراً انھیں تین خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ اس لیے مجدد الف ثانی کہلانے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہندوستان کو اسلام کے لیے دوبارہ بازیاب کیا اور اس کو برہمیت یا وحدتِ ادیان کی گود میں جانے سے بچا کر دوبارہ محمد عربی ﷺ اور دینِ حجازی کی تولیت ونگرانی میں دیا۔

دوسرے گروہ کے نزدیک ان کا اصلی تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے طریقت پر شریعت کی فوقیت و بالادستی کو ایسے پُر اعتماد، مبصرانہ و تجربہ کارانہ اور اس قوت و وضاحت کے ساتھ بیان کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا اور اس سے طریقت کا شریعت کے تابع بلکہ خادم ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ سمجھتا ہے کہ انھوں نے وحدۃ الوجود کے عقیدہ ونظریہ پر وہ کاری ضرب لگائی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لگائی تھی اور پھر اس کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا''۔[۱۱]

ان گروہوں کا تجزیہ کرنے کے بعد مولانا ندویؒ نے ان کے تمام تجدیدی کارناموں کا ایک مرکزی نکتہ تلاش کیا ہے اور اسی کے اندر تمام کارناموں کو سمو دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''حقیقت میں ان کا اصل کارنامہ جس کے جلو میں ان کے سارے تجدیدی کارنامے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اور ان کی تجدید کا اصل سرچشمہ جس سے ان کے تمام انقلابی و اصلاحی کاموں کے چشمے پھوٹتے ہیں اور دریا بن کر سارے عالم اسلام میں رواں دواں ہوجاتے ہیں، وہ نبوتِ محمدی اور اس کی ابدیت وضرورت پر امت کا اعتماد بحال کرنے اور مستحکم کرنے کا وہ تجدیدی و انقلابی کارنامہ ہے جو ان سے پہلے اس تفصیل و وضاحت وقوت کے ساتھ ہمارے علم میں کسی مجدد نے انجام نہیں دیا۔

اس تجدیدی اقدام سے ان تمام فتنوں کا سدِّ باب ہوتا ہے جو اس وقت عالمِ

اسلام میں منہ پھیلائے ہوئے اسلام کے شجرۂ طیبہ اور اس کے پورے اعتقادی، فکری اور روحانی نظام کو نگل لینے کے لیے تیار تھے۔ ان میں ایران کی وہ نقطوی تحریک اور اس کے پیرو بھی شامل ہیں جنھوں نے نبوتِ محمدی اور اس کے بقا و دوام کے خلاف کھلے طریقہ پر علَمِ بغاوت بلند کیا تھا۔ ان فتنوں میں اکبر کا دینِ الٰہی اور آئینِ جدید بھی شامل ہے جو ہندوستان میں نبوت و شریعتِ محمدی کی جگہ لینے اور اس کا بدل بننے کا مدّعی تھا۔ اس سلسلے میں وحدۃ الوجود کا فلسفہ بھی آتا ہے جو اپنے داعیوں اور علم برداروں کے بقول کشفی حقائق پر مبنی تھا۔ اسی ضمن میں فرقۂ امامیہ کا گروہ بھی آتا ہے جس کے اساسی عقائد میں امامت کا عقیدہ بھی ہے۔

اسی طرح انھوں نے نبوتِ محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید کی شاہ کلید سے وہ سارے بھاری پیچیدہ قفل کھول دیے جو یونانی اور ایرانی فلسفہ اور مصری و ہندوستانی اشراقیت نے ایجاد کیے تھے۔ ایک تیر سے ان سب فتنوں کا شکار کیا جن کا مسلمانوں کا ذہین طبقہ نشانہ بنا ہوا تھا''۔۱۲

## طریقۂ تجدید

ہر مجدد نے اپنے عہد کے حالات اور ضروریات کے لحاظ سے اپنا الگ طریقۂ کار متعین کیا اور کارہائے تجدید و انقلاب انجام دیے۔ حضرت شیخ سرہندیؒ نے بادشاہِ وقت، امراءِ پُر جلال، بڑے بڑے علماء و صوفیا کے ذہن و فکر کا رخ موڑ دیا اور اس کے لیے نہ کوئی تنظیم بنائی، نہ جہاد کا اعلان کیا، نہ ہی کوئی عوامی مہم چلائی، بلکہ نہایت خاموشی کے ساتھ ایمان و اخلاص کے بل بوتے پر مومنانہ حکمت و فراست سے مختلف محاذوں پر انقلابی تدابیر کرتے رہے اور مختصر عرصہ میں کایا پلٹ دی۔

حضرت مجددؒ کی جدّ و جہد تین مختلف محاذوں پر تین مختلف طریقوں سے جاری تھی۔

۱۔ خطوط نویسی ۲۔ تصنیف و تالیف ۳۔ حلقۂ ارشاد و تربیت

### ۱۔ خطوط نویسی

اس عظیم انقلابی مہم کو سر کرنے کے لیے حضرت مجددؒ نے جو سب سے اہم

وسیلہ اختیار کیا وہ خطوط نویسی ہے ۔ انھوں نے امراء و ارکینِ سلطنت، علما و صوفیا اور اپنے ارادت مندان کو انفرادی خطوط کے ذریعہ توجہ دلائی اور بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ’’ صفحۂ قرطاس پر اپنے دل کے ٹکڑے اتار کر رکھ دیئے‘‘ یہ خطوط اپنے درد و اخلاص، جوش و تاثیر، زورِ قلم اور قوتِ انشاء کے لحاظ سے ان خطوط و مکاتب کے ذخیرے میں جو دنیا کی کسی زبان میں اور کسی دینی و اصلاحی تحریک کی تاریخ میں سپردِ قلم کیے گئے ہیں، خاص امتیاز رکھتے ہیں اور سیکڑوں برس گزر جانے کے بعد آج بھی ان میں اثر و دل آویزی پائی جاتی ہے ۔ حقیقت میں یہی خطوط مجدد صاحب کی دعوت و تبلیغ کے قاصد، ان کے زخمی دل کے صحیح ترجمان، ان کے قطراتِ اشک اور لخت ہائے جگر ہیں اور دسویں صدی میں ہندوستان کی عظیم سلطنتِ مغلیہ میں جو عظیم انقلاب رونما ہوا، اس میں ان کا بنیادی حصہ اور سب سے بڑا دخل ہے‘‘ ۔[۱۳]

ان بابرکت خطوط نے بہت کم عرصہ میں بڑے بڑے امراء اور صوفیا کے قلوب کو مسخر کر لیا جو شاید ہزاروں تلواریں ٹوٹنے کے بعد بھی رام نہ ہوتے ۔

## ۲۔ علمی و تحقیقی رسائل

حضرت شیخ سرہندیؒ نے مختلف اہم موضوعات پر کتابیں اور رسالے بھی تصنیف فرمائے جو ان کی اس تجدیدی مہم میں نسخۂ کیمیا ثابت ہوئے ۔ ان کی یہ تحریریں بے حد مقبول ہوئیں اور ان کی سیکڑوں نقلیں تیار کی گئیں۔ پریس آ جانے کے بعد ان کتابوں کے متعدد زبانوں میں ترجمے ہوئے اور شروح و حواشی لکھے گئے ۔

ان کتابوں اور رسائل نے بھی ان کی انقلابی کاوشوں میں چار چاند لگائے ، خاص طور سے رسالہ اثبات النبوۃ [۱۴]، رسالہ در ردِ روافض [۱۵] اور المبداء والمعاد [۱۶] نے شیخ کی آراء کو مدلل کرنے اور مخاطب کو قائل کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے ۔[۱۷]

## ۳۔ شاگردان و عقیدت مندان اور خلفاء کبار

انفرادی خطوط و رسائل ایک طرف بڑے بڑے سلاطین ، امراء اور علماء کے

قلوب فتح کرتے رہے تو دوسری طرف شاگردان و ارادت مندان بھی جوق در جوق آپ کے حلقہ میں شامل ہوکر اس کارِ خیر کو آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ چناں چہ ان کی اس خاموش جدّ و جہد میں دنیا کے مختلف علاقوں کے ہزاروں افراد نے آپ سے تربیت لی اور ان کے ذریعے اس مشن کو آگے بڑھایا۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے بقول ''ان کے ناموں اور کارناموں کا استقصاء دشوار ہی نہیں، تقریباً ناممکن ہے۔ ان کی تعداد کئی ہزار بتائی جاتی ہے اور وہ تمام دنیا میں منتشر اور سرگرمِ عمل رہے''۔ ۱۸؎ تاہم اس بات پر تمام مورخین و محققین متفق ہیں کہ حضرت شیخ سرہندیؒ کے کارنامے ان ہی خلفاء و اصحاب کی کاوشوں کی وجہ سے ساری دنیا میں پھیلے اور دیر پا ثابت ہوسکے۔

کارِ تجدید کی تعریف اور حضرت شیخ سرہندی کے تجدیدی کارناموں کا تذکرہ اوپر تفصیل سے آیا ہے۔ اگر مولانا مودودیؒ کے مقرر کردہ معیار کو کسوٹی مان لیا جائے اور اس پر حضرت شیخ احمد سرہندی کے ان تجدیدی و انقلابی کارناموں کو پرکھا جائے تو ان کی خدمات کی تمام تر عظمتوں کے اعتراف کے باوجود ان کے سلسلے میں علماء کا یہ خیال مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجددِ کامل تھے، انھیں آنحضورﷺ کی نیابتِ تامہ حاصل تھی، وہ پورے دوسرے ہزاریہ کے لیے مجدد بنائے گئے تھے۔ الحمد للہ اسلام کی روشن تاریخ کے ہر دور میں ایسی متعدد جلیل القدر ہستیاں وجود میں آتی رہی ہیں جنھوں نے اپنے دور کے حالات وضروریات کے لحاظ سے اس سے بھی زیادہ عظیم کارنامے انجام دیے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ، امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ وغیرہ نے بھی بے شمار انقلابی و تجدیدی کارنامے انجام دیے، مگر انھیں مجدّدِ کامل تو دور کی بات، مجدّد کا بھی خطاب حاصل نہ ہوسکا۔ اس طرح کے مبالغہ آمیز خیالات سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ دعوت و تبلیغ اور کارِ تجدید کے لیے جو کاوشیں حضرت شیخ سرہندیؒ کے ذریعہ ہوئیں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئیں اور ان کے اثرات ایک ہزار برس تک رہیں گے، اس لیے مزید کدو

کاوش کی ضرورت نہیں۔ حضرت شیخ سرہندیؒ کی خدمات ہی عالمِ اسلام پر بیسویں صدی ہجری تک اثر پذیر ہوں گی۔

اسی طرح مولانا فاروقیؒ، مولانا آزادؒ، علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ وغیرہ کے یہ بیانات بھی تحقیق طلب ہیں کہ ''ان کے تمام معاصر علماء وصوفیاء ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے ۱۹ اور حضرت شیخ سرہندیؒ نے یکہ وتنہا الحاد اکبری کا قلع قمع کیا، وہ ہند میں سرمایہ ملت کے اکیلے نگہبان تھے'' ۔ان کے معاصرین میں متعدد جلیل القدر علماء ومحدثین موجود تھے جو انہی کی طرح اصلاح وتجدید کے مشن میں لگے ہوئے تھے اور ان کے بعد بھی متعدد جلیل القدر ہستیاں وجود میں آئیں۔ اس طرح کے بیانات سے ممدوح کی اہمیت تو کچھ ضرور بڑھ جاتی ہے، مگر ساتھ ہی معاصرین کے کارناموں کی تنقیص لازم آتی ہے۔ اسی لیے شیخ محمد اکرام نے ایسے عقیدت مندوں کو سخت تنبیہ کی ہے اور معاصرین کے کارناموں کو اجاگر کیا ہے اور ان کی قدر پہچاننے کی تلقین کی ہے۔ ۲۰

## حواشی ومراجع


۱ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ان اللہ یبعث لھذہ الأمة علی رأس کل مائة سنة من یجدّد لھا دینھا۔ سنن أبي داوٗد، کتاب الملاحم، باب ما یذکر فی قرن المائة

۲ محمد عبدالحق انصاری، تصوف اور شریعت، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۲۰۰۱ء ص ۳۹

۳ محمد منظور نعمانی، تذکرہ مجدد الف ثانی، مقالہ مولانا محمد عبد الشکور فاروقی بعنوان ''امام ربانی'' ناشر الفرقان بک ڈپو لکھنؤ، طبع ہشتم، ۱۹۹۸ء ص ۲۸۲

۴ مولانا ابو الکلام آزاد، تذکرہ (مرتبہ فضل الدین احمد مرزا) انارکلی کتابیات، لاہور، بدون تاریخ، ص ۲۶۴

۵ سید ابو الاعلیٰ مودودی، تجدید واحیاءِ دین، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۲۰۰۲ء، ص ۸۱

۶۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۲۳

۷۔ تجدید واحیاء دین، ص ۴۳

۸۔ حوالہ مذکور، ص ۴۵-۴۶

۹۔ حوالہ مذکور، ص ۸۱-۸۲

۱۰۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۱۴۳

۱۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، بار اول ۱۹۸۰ء، ۴/ ۱۸۷-۱۸۸

۱۲۔ حوالہ مذکور، ۴/ ۱۹۰-۱۹۲ (ملخصاً)

۱۳۔ حوالہ مذکور، ۴/ ۳۰۳

۱۴۔ شیخ احمد سرہندی، اثبات النبوۃ، اردو ترجمہ غلام مصطفیٰ خاں، ادارۂ مجددیہ کراچی، ۱۹۶۳ء

۱۵۔ شیخ احمد سرہندی، رسالہ دررِدِ روافض، ادارۂ سیدیہ مجددیہ، لاہور، ۱۹۶۴ء

۱۶۔ شیخ احمد سرہندی، المبدأ والمعاد، مطبع انصاری، دہلی، ۱۸۸۹ء۔

۱۷۔ شیخ سرہندی کی تصانیف، خطوط اور ان کے بارے میں مختلف زبانوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی تفصیلات جاننے کے لیے رجوع کیجیے:

A selected Bibliography on Shaikh Ahmad Sirhindi, Kabir Ahamad Khan, Muslim world book Review, U.K. Vol. 12, No, 2. winter 1992,pp65-70

۱۸۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ۴/ ۳۵۵

۱۹۔ تجدید واحیاء دین، ص ۴۶

۲۰۔ رود کوثر، ص ۲۳۸

## تعارف وتبصرہ

**علامہ شبلی نعمانی کی قرآن فہمی** — **ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی**

ناشر: فاران اکیڈمی، اقرا کالونی، علی گڑھ، ۲۰۰۵ء، صفحات: ۱۱۲، قیمت: درج نہیں

علامہ شبلی نعمانیؒ (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) کو تاریخ، سیرت و سوانح اور ادب کے میدانوں میں جو غیر معمولی شہرت ملی اس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔ لیکن قرآنیات میں ان کی خدمات کا کما حقہ تعارف نہیں ہوسکا ہے۔ عموماً سوانح نگاروں نے اس پہلو کو نظر انداز کیا ہے، چناں چہ ان کی قرآنی فکر کے تجزیے پر کوئی تحریر نہیں ملتی۔ زیرِ نظر کتاب اس کمی کو بخوبی پورا کرتی ہے۔ یہ اصلاً وہ مقالہ ہے جسے شبلی نعمانی سمینار منعقدہ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ نومبر ۲۰۰۴ء کے لیے لکھا گیا تھا۔ اسی کو نظر ثانی کے بعد کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔

یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول علامہ شبلی کی تدریسِ قرآن پر ہے۔ اس میں علی گڑھ کے دورانِ قیام ان کے دروسِ قرآن کے اہتمام کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ باب دوم میں بعض علومِ قرآنی پر ان کی نگارشات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ باب سوم میں اسبابِ نزول اور زمانۂ نزول کے متعلق ان کی تحقیقات پر تبصرہ ہے۔ اور باب چہارم میں قرآنی آیات سے ان کے استشہاد و استدلال کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔

اس کتاب کے ذریعے علامہ شبلی نعمانی کی علمی شخصیت کے ایک اہم پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ اس خدمت پر فاضل مصنف تحسین و تبریک کے مستحق ہیں۔ امید ہے اسے شبلی کے عقیدت مندوں اور علومِ قرآن کے شائقین دونوں کے درمیان مقبولیت حاصل ہوگی۔

(محمد رضی الاسلام ندوی)

**ہندو علماء و مفکرین کی قرآنی خدمات** مصنف: وزیر حسن/ مترجم: اورنگ زیب اعظمی

ناشر: اسلامک بک سینٹر، دریا گنج، نئی دہلی ۲، ۲۰۰۴ء، صفحات ۵۶، قیمت -/۳۵

زیرِ نظر کتاب جناب وزیر حسن کی انگریزی تصنیف Quranic studies

by Non-Muslims کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں غیر مسلم اہلِ علم کے ذریعہ کیے جانے والے بارہ تراجمِ قرآن اور قرآنیات سے متعلق نو مستقل تصانیف کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ تراجم ہندی، سنسکرت، تیلگو، ملیالم اور بنگالی زبانوں میں کیے گئے ہیں۔ تصانیف میں سے بعض ہندی، مراٹھا اور اردو میں اور بیش تر انگریزی زبان میں ہیں۔ تعارف میں مذکورہ تراجم اور تصانیف کی خوبیوں اور خامیوں دونوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

کتاب کا ترجمہ عموماً رواں اور شستہ ہے۔ کہیں کہیں ترجمانی بہتر نہیں ہوسکی ہے۔ ''قوانینِ جنوڈ'' (ص۴۴) کے بجائے ''قوانینِ جنگ'' کا استعمال بہتر تھا۔ ایک جگہ ان الفاظ میں ترجمہ کیا گیا ہے: ''قرآن نے پرزور طور پر مبالغہ و بخل دونوں سے روکا ہے'' (ص۵۰) مبالغہ کے بجائے فضول خرچی یا اسراف کا لفظ استعمال کرنا چاہیے تھا۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی تفسیر کو تفسیر ماجدی کے بجائے تفسیر مجیدی (ص۱۰) لکھا گیا ہے۔ مقدمۂ مترجم سے یہ واضح نہیں ہے کہ یہ انگریزی تصنیف کا مکمل ترجمہ ہے یا اس کے کسی ایک حصے کا۔ شبہ اس لیے پیدا ہوا کہ کتاب کی پشت پر ڈاکٹر نازش احتشام کے قلم سے جو تعارف ہے اس میں اسے انگریزی کتاب کے ایک حصے کا ترجمہ قرار دیا گیا ہے۔

بہر حال اس مفید کتاب کے ترجمہ پر مترجم قابلِ مبارک باد ہیں۔ امید ہے کہ علمی حلقوں میں اس کی پزیرائی ہوگی۔ (م-ر-ن)

## وحی حدیث — پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی-۲، ۲۰۰۴ء، صفحات: ۲۸۰، قیمت-/۱۵۰

کلام اللہ کے ساتھ کلامِ نبوت پر بھی وحی کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ پیغمبر کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اس کی اپنی جانب سے نہیں، بلکہ درحقیقت اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى** - النجم: ۳-۴ (وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے) البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ کلام اللہ وحی متلوّ ہے، یعنی اس

کی تلاوت اور نماز میں اس کی قراءت کا حکم دیا گیا ہے، کیوں کہ اس کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور قطعی ہیں۔ اور کلام نبوی 'وحی غیر متلو' ہے، یعنی اس کی تلاوت و قراءت کا حکم نہیں، کیوں کہ اس کے معانی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے، لیکن الفاظ زبانِ نبوت کے ہوتے ہیں۔

جب حدیث قرآن کے مثل وحیِ الٰہی پر مبنی ہے تو قرینِ عقل یہ ہے کہ اس کی تنزیل کے طریقے بھی قرآن کے مثل ہوں۔ زیرِ نظر کتاب میں کتبِ حدیث و سیرت کے دلائل و شواہد سے ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کے نزول کے جو طریقے، ذرائع اور کیفیات مروی ہیں ٹھیک وہی طریقے، ذرائع اور کیفیات وحیِ غیر متلو یعنی حدیث کے سلسلے میں بھی مروی ہیں۔

باب اول میں وحی متلو و غیر متلو کی تعریفات و معانی، وحی کی اقسام اور وحیِ حدیث کے طریقوں پر اجمالاً روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب دوم ''وحیِ قرآنی کے مماثل وحیِ حدیث'' میں صحابۂ کرام کی عینی شہادتوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ حدیث کی وحی کے بھی وہی تمام طریقے تھے جو قرآن مجید کی وحی کے تھے۔ باب سوم رویائے صادقہ کے ذریعے تنزیلِ وحی کے لیے خاص ہے۔ باب چہارم میں اسراء و معراج کی احادیث ذکر کی گئی ہیں کہ ان میں وحیِ حدیث کے متعدد طریقے یکجا ہیں۔ باب پنجم میں بیداری کی حالت میں کشفِ نبوی اور باب ششم میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ تنزیلِ وحی کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

پروفیسر صدیقی جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو اس کی تمام جزئیات کا استقصا کرتے ہیں۔ وہ اپنے دعاوی اور نکات کے پہلو بہ پہلو کتاب و سنت کے محکم دلائل تفصیل سے پیش کرتے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اگر چہ بیان میں اطناب پیدا ہوجاتا ہے، لیکن قاری کے سامنے تمام مباحث کھل کر سامنے آجاتے ہیں اور اسے ان کے استدلال پر شرحِ صدر ہوجاتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب علومِ اسلامی کے ایک نئے موضوع پر مبسوط مطالعہ ہے۔ امید ہے، علمی حلقوں میں اس کی اہمیت محسوس کی جائے گی۔ (م-ر-ن)